

ام شناسی



(سیٹ)

علا مہ نصیر الدین نصیر ہونزائی



”اور ہم نے ہر (روحانی و علمی) چیز کو امام مبین میں
گھیر کر رکھا ہے۔“ (۱۲:۳۶)

"First, let me remind you, that for all murids of the Imam, whether they are from Central Asia, from India, from Pakistan, from the Western World, the fundamental principle is the recognition of the Imam of the Time."

Mawlana Hazir Imam Shah Karim al-Husayni^(c)

Moscow, Russia
29th January 1995

"In time, the Shia were also sub-divided over this question [of rightful leadership], so that today the Ismailis are the only Shia community who, throughout history, have been led by a living, hereditary Imam in direct descent from the Prophet."

Mawlana Hazir Imam Shah Karim al-Husayni^(c)

Address to both the Houses of Parliament of Canada,

Ottawa, Canada
27th February 2014

امام شناسی (سید ط)

علاء اللامه نصیر الدین نصیر ہونزائی

شائع کردہ

المعهد للحکمة الروحانية والعلم المنير

www.monoreality.org

www.ismaililiterature.com

www.ismaililiterature.org

© 2022

ISBN 1-903440-17-3

ایک مثالی خط

برادرِ بزرگ مہربان شاہ (مرحوم)
کے علمی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ دن
ہو یا رات آپ ہمیشہ دینی کتب کا مطالعہ
کرتے رہتے تھے اور اپنے خیالات کو سپردِ قلم
بھی کرتے تھے، ان کے جذبہٴ دینداری اور
ادِصافِ مومنی کی کوئی مثال نہیں، وہ عشقِ مولا
میں خود کو دفن کر دینا چاہتے تھے، موصوف
کے انتقال پر میں نے انکے فرزندِ ارجمند
موکھی سرفراز شاہ اور جملہ خاندان کی خدمت
میں ”ایک مثالی خط“ تحریر کیا ہے، جو اس
کتاب میں شامل ہے۔

ایک مثالی خط

عزیز و محترم موکھی سرفراز شاہ اور جملہ معزز خاندان

دل درد مند سے یا علی مدد کہتا ہوں، میں آہ و آفوس سے کہہ رہا ہوں کہ میرے بزرگ و محترم اور مشفق و مہربان بھائی جن کا پیارا نام بھی ”مہربان شاہ“ ہے، جو آپ کے دولت خانہ میں قیام پذیر تھے، وہ کہاں تشریف لے گئے؟ اس سے پیشتر کہ آپ کچھ فرمائیں، قرآن حکیم ہی سے اس سوال کا جواب باصواب مل جاتا ہے کہ: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** (ہم تو خدا ہی کے ہیں اور ہم لوٹ کر اسی کی طرف جانے والے ہیں)۔

ان کے پاکیزہ دل میں خدا، رسولؐ، اور امام زمانہؑ کی کتنی اور کیسی شدید محبت تھی! وہ قرآن پاک اور دینی علم کے بڑے شیدائی تھے، ایک شب خیز اور مناجاتی درویش، ایک باعمل اور پُرسوز دعا گو، ایک مؤمن صادق، ایک عاشق مولا، ایک مخلص جماعتی عملدار، ایک بہادر سپاہی (ماضی میں)، ایک متقی خلیفہ پیر روشن ضمیر، ایک ہوشمند اور جفاکش زمیندار،

امام عالی مقام کا ایک سرفروش اور جان نثار سرمدی ایک دائم الذکر عابد، مع نورِ امامت کا ایک پروانہ، جہادِ علمی کا ایک مجاہد، اور اہل بیت علیہم السلام کا ایک مُحب۔

ان کا دل جذبۂ ایمانی سے موشار، آنکھیں آسمانی عشق سے اشکبار، زبان ذکرِ الہی میں مشغول، جبینِ سجدہ بار بار بر زمین، ہاتھ میں اکثر اوقات تسبیح، پیروں کو خدا کے گھر چلنے میں راحت، کان منقبتِ سننے کے لئے مشتاق، جان ہمیشہ مائلِ جانان، روح متصلِ جنان (بہشت) اور ان کی خوبیاں اس تحریر سے بہت زیادہ ہیں۔

عزیزم سرفراز شاہ! دینی اعتبار سے یہی بہتر اور مفید تر ہے کہ آپ تمام عزیزانِ خاندانِ صبر اور شکر کے راستے پر ثابت قدم رہیں، کیونکہ آپ سب کا بہت بڑا امتحان ہوا ہے، اور سب سے بڑی عبادت اسی میں ہے، آپ ان شاء اللہ، انبیا و ائمہ علیہم السلام کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، الحمد للہ، مومن خدا پر توکل کرتا ہے، یعنی اللہ کو اپنا وکیل اور کارساز قرار دیتا ہے، آپ کو دین و دنیا کی سعادتیں حاصل ہو رہی ہیں۔

قانونِ روح کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ کوئی کہیں نہیں جاتا، سب موجود ہیں، مومن صرف کشف سے لطیف ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآن نے فرمایا کہ شہید دراصل مرتے نہیں ہیں (۳۹) رسولِ اکرمؐ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا

کہ ہر مومن شہید کا درجہ رکھتا ہے، اور حضرت پیر نے فرمایا
کہ دنیا سے آخرت تک کچھ زیادہ مسافت نہیں، لیکن درمیان
میں تمہاری اپنی ہستی ہی دیوار بنی ہوئی ہے، وہ شعر یہ ہے۔

زُنیَا تا بَعْقَبیٰ نِست بَیَار
وَلی در رہ وجودِ نِست دیوار

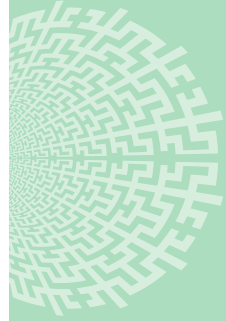
پس اگر ہم اپنی ہستی کی دیوار کو درمیان سے ہٹائیں یا
اسے شیشہ کی مانند صاف شفاف بنائیں، تو ہم تمام
روحوں کو اس وقت بھی دیکھ سکتے ہیں۔

آپ کا دعاگو

ن۔ن (حُبّ علی) ہونزائی، کراچی

اتوار ۱۶ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

۲۳ نومبر ۱۹۹۱ء



فہرستِ مضامین

امام شناسی حصہ اول

- ۱۔ پیش گفتار ۳
- ۲۔ لفظِ امام کی قرآنی حکمت اور معنوی وسعت ۱۱
- ۳۔ لفظِ امام کے لغوی معنی ۱۸
- ۴۔ کیا کوئی آسمانی کتاب امام ہو سکتی ہے؟ ۲۲
- ۵۔ امامِ مبینؑ ۲۹
- ۶۔ امامؑ کی دائمیت کا تصور ۳۳
- ۷۔ خدا امامؑ سے ہر وقت مخاطب ہے۔ ۳۶
- ۸۔ پرہیزگاروں کے امام ۳۸
- ۹۔ امامؑ کے روحانی فرزندوں کا درجہ ۴۲
- ۱۰۔ امامؑ سرچشمہ ہدایت ہیں۔ ۴۶
- ۱۱۔ امامؑ کے صبر اور متیقن کے معنی ۴۹
- ۱۲۔ نورِ امامت میں تمام چیزیں متحد ہیں۔ ۵۱
- ۱۳۔ نورِ امامت خدا کی بولنے والی کتاب ہے۔ ۵۳

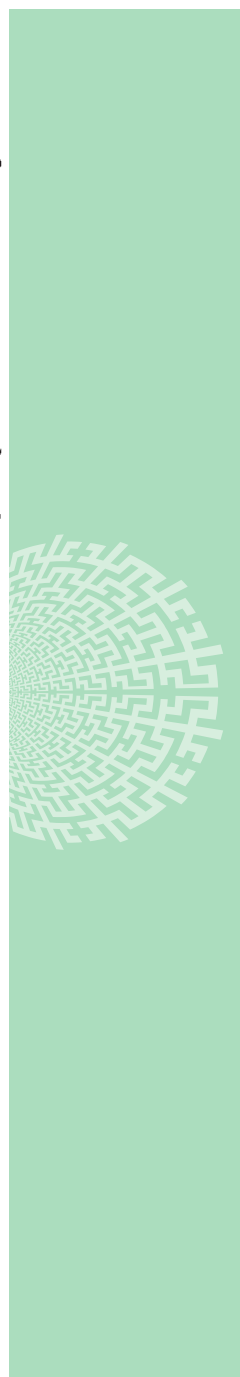
فہرستِ مضامین

امام شناسی حصہ دُوم

| | | | |
|----|-------|-----------------------------------|----|
| ۵۷ | | صرف آغاز | ۱ |
| ۶۲ | | لفظِ نُور | ۲ |
| ۶۳ | | حقیقی نُور اور خود ساختہ نُور | ۳ |
| ۶۳ | | نُورِ ہدایت اور ظلمتِ گمراہی | ۴ |
| ۶۵ | | روشن کتاب | ۵ |
| ۶۶ | | نورِ مبین | ۶ |
| ۶۷ | | نور اور کتابِ مبین | ۷ |
| ۶۷ | | توریت کا مقصد | ۸ |
| ۶۸ | | انجیل کا مقصد | ۹ |
| ۶۹ | | قرآنِ حکیم کا مقصد | ۱۰ |
| ۷۰ | | ظلمت کے مقابلے میں نُور | ۱۱ |
| ۷۱ | | نُور اور ہدایت | ۱۲ |
| ۷۳ | | نُورِ ملے تو ابیدی زندگی ملتی ہے۔ | ۱۳ |
| ۷۳ | | رسول کے بعد نور کی پیروی | ۱۳ |
| ۷۳ | | نورِ الہی کے خلاف ناکام کوشش | ۱۵ |

| | | | |
|----|-------|--|----|
| ۱۴ | | اتم نور | ۷۵ |
| ۱۷ | | سورج اور چاند کی نورانی وحدت | ۷۵ |
| ۱۸ | | اندھیرے اور نور | ۷۶ |
| ۱۹ | | کتاب، پیغمبر اور نور | ۷۷ |
| ۲۰ | | ہادی اور نور | ۷۸ |
| ۲۱ | | امام زمان کا نور روشن کتاب ہے | ۷۹ |
| ۲۲ | | کائنات کا نور | ۷۹ |
| ۲۳ | | ان حقائق کے مختصر دلائل | ۸۱ |
| ۲۴ | | نور علی نور | ۸۳ |
| ۲۵ | | نور اور اللہ تعالیٰ کی مرضی | ۸۵ |
| ۲۶ | | جس کیلئے خدا نور مقرر نہ کرے اُس | ۸۶ |
| | | کے لئے کوئی نور نہیں۔ | |
| ۲۷ | | عالم دین کے سورج اور چاند | ۸۷ |
| ۲۸ | | کتابِ منیر | ۸۸ |
| ۲۹ | | ظلمات سے نور تک | ۸۸ |
| ۳۰ | | روشن چرخ | ۹۰ |
| ۳۱ | | ظلمتِ جہالت اور نورِ معرفت | ۹۲ |
| ۳۲ | | انبیاء کے معجزات، کتب اور تاویل | ۹۳ |
| ۳۳ | | شرح صدر | ۹۴ |
| ۳۴ | | زمین اپنے پردہ نگار کے نوے سے روشن ہو جائے گی۔ | ۹۶ |
| ۳۵ | | نور کے عظیم اسرار | ۹۸ |

| | | |
|-----|--------------------------------------|----|
| ۱۰۰ | نورانی معجزات | ۳۶ |
| ۱۰۳ | مومنین، مومنات اور نور | ۳۷ |
| ۱۰۴ | منافقین، منافقات اور نور | ۳۸ |
| ۱۰۵ | نور حاصل ہونے کا درجہ | ۳۹ |
| ۱۰۷ | نور سرچشمہ ہدایت ہے | ۴۰ |
| ۱۰۸ | پیغمبر اور امام کا نور خدا کا نور ہے | ۴۱ |
| ۱۱۰ | خدا، رسول اور نور امامت | ۴۲ |
| ۱۱۲ | نور ایک زندہ ذکر | ۴۳ |
| ۱۱۵ | نور اور دورِ روحانیت | ۴۴ |
| ۱۲۰ | آفتاب و ماہتاب | ۴۵ |

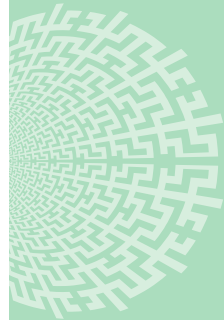


فہرستِ مضامین

امام شناسی حصہ سوم

| | | | |
|-----|-------|---------------------------------|--------|
| ۱۲۵ | | صرف آغاز | |
| ۱۳۱ | | قدرتِ کاملہ | کلید ۱ |
| ۱۳۶ | | علم الہی | ۲ " |
| ۱۴۴ | | ہر گروہ کا قبلہ | ۳ " |
| ۱۴۷ | | موت کا تجربہ | ۴ " |
| ۱۵۳ | | ہر چیز سے روحانی ملاقات | ۵ " |
| ۱۵۸ | | انس اور جتنی شیاطین | ۶ " |
| ۱۶۱ | | آسمانی کتاب میں ہر چیز کی تفصیل | ۷ " |
| ۱۶۵ | | ہر شخص کی شناخت | ۸ " |
| ۱۶۹ | | ہر چیز کی مقدار | ۹ " |
| ۱۷۳ | | مومنین کو سب کچھ دیا گیا | ۱۰ " |
| ۱۷۷ | | ہر چیز کے خزانے | ۱۱ " |
| ۱۸۰ | | شہد کی مکھی کی مثال | ۱۲ " |
| ۱۸۳ | | تمام تمثیلات | ۱۳ " |
| ۱۹۰ | | ذوالقنین | ۱۴ " |

| | | | | |
|-----|-------|---------------------------------------|----|------|
| ۱۹۵ | | یا حونج و ما حونج | ۱۵ | کلید |
| ۱۹۹ | | ہر چیز کی خلقت و ہدایت | ۱۶ | » |
| ۲۰۳ | | ہر چیز کا فنا ہو جانا | ۱۷ | » |
| ۲۰۹ | | ہر چیز نام مبین میں | ۱۸ | » |
| ۲۱۵ | | ہر چیز کا ملکوت | ۱۹ | » |
| ۲۲۱ | | ہر چیز کے لئے گنجائش رحمت اور علم میں | ۲۰ | » |
| ۲۲۳ | | ہر چیز کا بولنا | ۲۱ | » |
| ۲۲۸ | | تمام چیزوں کے جوڑے | ۲۲ | » |



امام شناسی

حصہ اول



اس حصے میں ان آیات کی وضاحت کی گئی ہے جن میں
لفظ امام یا اس کی جمع ائمہ کا ذکر آیا ہے۔

پیش گزار

تسمیہ
درویش شریف

کتاب کی خصوصیت
اور مقصدیت

قلب قرآن کے اسرار
عظیم

مضامین قرآن مضمون
امامت میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ یُصَلُّوْنَ
عَلٰی النَّبِیِّ وِیَاۤیَہِہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِیْمًا ۲۶ - اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ -

① یہ کتابچہ ان آیات مقدسہ کی توضیحات و تاویلات
پر مشتمل ہے جن میں امام اور امامت کا صراحت سے تذکرہ
موجود ہے۔ اگرچہ باطنائے قرآن حکیم کی کوئی آیت امامت
کے موضوع سے خالی نہیں، تاہم ظاہراً اس سلسلے میں ایسی
آیتوں سے بحث کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

② سورۃ یس (۳۶) آیت ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے
کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر عقلی، روحی اور مادی چیز کو
امام اکرم کے نور میں مستغرق کر کے گھیر رکھا ہے، پھر حکمت
قرآن کے اصول سے ظاہر ہوا کہ جملہ موضوعات امامت کے
موضوع میں اور سارے الفاظ امام کے لفظ میں سموئے ہوئے
ہیں۔ پس ضروری اور لازمی تھا کہ ان آیات کو یہ کہیں کبھی طور
پر تاویلی بیان کیا جائے جن میں اسم یا آئمۃ کے الفاظ
آتے ہیں۔

دیدہ دل کا روشن ہونا

امام حق و حاضر

ہر چیز امام مبین کے نورِ اقدس میں محدود و محصور ہے۔

ہر شئی امام عالی مقام کی نورانیت کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے۔

خود شناسی اور خدا شناسی

انسان ناقص اور انسان کامل

وجہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

۳) جن حقیقی مومنین کا دیدہ دل روشن ہوا ہو وہ اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ کائنات و موجودات کی ہر چیز دنیا میں امام کے حق و حاضر ہونے کی گواہی دے رہی ہے، اور اس شہادت سے ظاہر و باطن کی کوئی شے خالی نہیں۔

۴) جب یہ ارشادِ الہی ظاہر ہے کہ ہر چیز امام مبین کے نورِ مقدس میں محدود و محصور ہے، پس یہ بات لازمی ہے کہ ہر شئی امام عالی مقام کی نورانیت کے رنگ میں رنگی ہوتی نظر آئے چنانچہ دنیا نے قرآن و حدیث کے علاوہ کائنات کی ہر چیز ایسی ہی رنگین نظر آتی ہے۔

۵) اگر بحکم حدیث یہ مان لیا جائے کہ خود شناسی کا نتیجہ خدا شناسی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو انسان کامل کی شناخت اس موضوع سے متشنی قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ انسان کامل (امام) کی معرفت کے بغیر انسان ناقص کی اپنی معرفت خدا شناسی کا نمونہ نہیں بن سکتی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ امام کی ابتدائی معرفت سے خود شناسی اور انتہائی معرفت سے خدا شناسی حاصل آتی ہے۔

۶) سورہ قصص (۲۸) آیت ۸۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ** یعنی ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے بجز اس کے چہرہ کے۔ جاننا چاہتے کہ خدا کے چہرہ سے اس کی معرفت مراد ہے، اور خدا کی معرفت وہ حقیقت ہے جو امام کی معرفت میں

پوشیدہ ہے۔ چنانچہ مولانا علی علیہ السلام نے فرمایا:

أَنَا وَجْهُ اللَّهِ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِينَ - یعنی میں ہی آسمانوں اور زمین میں خدا کا چہرہ (معرفت) ہوں۔

وجہ اللہ کا ارشاد

امام کی معرفت میں خدا کی معرفت ہے۔

⑥ جب یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ امام عالی صفات کی معرفت خدا کی معرفت ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام علوم الہی بھی اسی معرفت میں مجسوم ہیں۔ یہی سبب ہے جو رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امام وقت کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلانہ موت میں مر جاتا ہے اور جاہل کا ٹھکانا آتش دوزخ ہے یعنی وہ علم الہی کی جنت سے محروم ہو جاتا ہے۔

تمام علوم الہی

جہالت دوزخ ہے۔

⑧ دین اسلام خدا سے جاننے کا راستہ ہے جسے

صراطِ مستقیم یعنی راہِ راست کہتے ہیں۔ اس کی چار منزلیں ہیں۔ جو شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے ناموں سے مشہور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں منزلِ مقصود اور درجہ کمال معرفت ہے۔

صراطِ مستقیم کی منزل مقصود خدا ہے۔

اسلام کی منازل چہارگانہ

⑨ روایت ہے کہ شریعت بمثل رات کے ہے،

طریقت ستاروں کی روشنی کی طرح ہے، حقیقت چاند کی روشنی کی طرح ہے اور معرفت سوج کی روشنی کے مثل ہے پس نورِ معرفت کی روشنی میں ہر چیز کی اصلیت کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا چار منزلوں کی مثالیں۔

معرفت = یقین

⑩ معرفت اور یقین کا ایک ہی مطلب ہے اور

معرفت کے تین
درجات

حقیقی مومن کی خودی

امام شناسی کی اہمیت

چار درجہ کی روحیں

معرفتِ رُوحِ قدسی
میں ہے۔

یقین کے تین درجے ہیں۔ علم یقین، عین یقین اور حق یقین۔ پس ابتدائی معرفت علم یقین میں ہے۔ درمیانی معرفت عین یقین میں اور انتہائی معرفت حق یقین میں اور اس مطلب کی وضاحت یہ ہے کہ امام مبین کی ابتدائی معرفت ایک ایسے علم میں ہے جو شک سے بالاتر اور بالکل یقینی ہو۔ درمیانی معرفت ایسے دیدار اور شاہدے میں ہے جو دیدارِ باطن سے کیا جاتا ہے، اور انتہائی معرفت اس روحانی معجزاتی تجربے میں ہے جس میں حقیقی مومن کی خودی امام کے نور کے درمیان اس طرح گم ہو جاتی ہے جس طرح کہ ایک چھوٹے سے کونے کی تاریکی اور سیاہی انگاروں کے درمیان کھو جاتی ہے۔

۱۱) امام شناسی کے بغیر پیغمبر صلعم کے نور کی معرفت ناممکن ہے اور پیغمبر کے نور کے بغیر خدا کی معرفت محال ہے۔ کیونکہ نبوت کا دروازہ امامت ہے اور الوہیت کا دروازہ نبوت۔

۱۲) زندہ موجودات کے لئے زندگی کے چار درجے مقرر ہیں۔ پہلا درجہ روحِ نباتی ہے، دوسرا روحِ حیوانی، تیسرا روحِ انسانی اور چوتھا روحِ قدسی۔ اور معرفتِ روحِ قدسی میں ہے۔ جو انسانِ کامل یعنی امام کی مبارک روح ہے۔

۱۳) اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب معرفتِ امام

کی روح یعنی نور دیکھنے کو کہتے ہیں تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ جس نے اپنے آپ کو یعنی اپنی روح کو پہچان لیا تو بے شک اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو روح بجز فعلِ امام کی ہے وہی روح بجز قوتِ تحقیقی ہومن کی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ہومن کی پہلی روح نباتات سے حاصل ہوتی ہے دوسری روح حیوانات سے تیسری روح انسانوں سے اور چوتھی روح یعنی روحِ قدسی امام سے حاصل کی جاسکتی ہے اور تحقیقی ہومن کو چاہئے کہ اپنی اس آخری روح کو حاصل کرے اور کما حقہ پہچان لیا کرے۔

(۱۴) اگر مان لیا جائے کہ انسان کے لئے چار روحمیں مقرر ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جسمِ انسانی میں اُن کے آنے کے لئے رستے بھی چار ہی ہیں۔ یعنی روحِ نباتی اور روحِ حیوانی شروع شروع میں ناف کے رستے سے اور پھر منہ سے داخل ہوتی رہتی ہیں اور روحِ انسانی اور روحِ القدس پہلے سر کے کانوں سے پھر گوشِ ہوش سے داخل ہوتی رہتی ہیں۔

(۱۵) جس طرح یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ مادی جسم کی غذاؤں کے بغیر روحِ نباتی اور روحِ حیوانی انسان کے جسم میں داخل ہو سکیں اسی طرح یہ امر بھی قطعی محال ہے کہ روحانی نوعیت کی غذاؤں کے بغیر روحِ انسانی اور روحِ القدس انسان کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوں اور روحِ انسانی غذا علم و حکمت کی باتیں ہیں۔

۱۶) امام کے نورِ اقدس سے فیوض و برکات حاصل کر کے اپنی ذات میں معرفتِ والی روح یعنی روحِ قدسی پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امامِ زمان کے علمی اور عملی فرائض میں مقدس پر عمل کیا جائے اور اس کی خوشنودی ہر چیز پر مقدم رکھی جائے۔

۱۷) امام شناسی کی بنیادی شرط عقیدہ ہے، کیونکہ جس کا عقیدہ درست نہ ہو وہ امام کی معرفت ہرگز حاصل نہیں کر سکتا۔ اور درست عقیدہ کے لئے عموماً بچپن میں مذہبی ماحول کا بہتر ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

۱۸) امام شناسی کی دوسری شرط امام کی دوستی و محبت ہے۔ محبت عقیدہ کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ اور ترقی امامِ زمان کی فرمانبرداری میں ہے۔

۱۹) امام شناسی کی تیسری ضروری شرط امامِ زمان کا عشق ہے جو محبت کی ترقی یافتہ شکل کا نام ہے اور اس کی ترقی اس بات میں ہے کہ امامِ زمان کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آگاہی حاصل کی جائے۔ کیونکہ کوئی شخص کسی چیز پر عاشق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے سن و خوبی کو نہ دیکھے یا کسی طرح بولنے والے سے نہ سنے۔

۲۰) اگر مومن کے دل میں امام وقت کا عشق شعلہ زن ہونے لگے تو وہ خود ہی زبانِ حال اور زبانِ قال سے بتا دے گا کہ اب اس کے بعد امام شناسی کی راہ میں کس طرح

امامِ زمان کی اطاعت
و فرمانبرداری

بچپن میں عقیدہ کی
اہمیت

امام سے محبت اور عشق
کے ثمرات

امام سے عشق کس طرح
سے ہو سکتا ہے؟

امام کا عشق گویا ایک
فرشتہ ہے جو مومن کی
مدد کرتا ہے۔

آگے بڑھا جا سکتا ہے۔

امام شناسی اور اس کا ذریعہ

نکاتِ مذکورہ بالا کا حاصل یہ ہے کہ امام شناسی کے بغیر اسماعیلیت سے روحانی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اس پاک مذہب میں جو کچھ خوبیاں موجود ہیں وہ سب کی سب امام کی شناخت میں پنہان ہیں۔ نیز مذکورہ حقائق سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ امام شناسی کا ذریعہ بھی خود امام ہی حاضر ہیں۔ کیونکہ مومن کی فرمانبرداری انہی کیلئے ہونا چاہئے۔

اس کتاب کا عظیم مقصد

جیسا کہ بتایا گیا کہ کسی مومن کو امامِ وقت سے عشق اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ امام کی بے مثال خوبیوں کو دیکھے یا کسی سچ بولنے والے سے سُنے چنانچہ اس کتاب کو تصنیف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حقیقی مومنین امامِ عالی مقام کے علم و فضل اور روحانیت و نورانیت سے آگاہ ہو جائیں تاکہ اس سے اُن کو امامِ زمان علیہ السلام کا عشق حاصل آئے اور اس مقدس عشق سے امام شناسی حاصل کی جاسکے۔

جملہ مومنین کے حق میں دُعائے خیر

اخیر میں پروردگارِ عالمین کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ ذاتِ کبریا اپنے بے پایان فضل و کرم سے جملہ مومنین و مومنات کو امام شناسی کی لالائیت اور دولت سے مالا مال فرمائے! اُن کو فتنہ آخر زمان سے بچائے رکھے! ان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازے! اور دنیا و آخرت کی سرفرازی عنایت فرمائے!

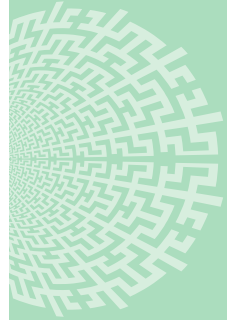
آمین یارب العالمین!

فقط امام زمان کا ایک ادنیٰ غلام

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی

بروز بدھ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ

۲ اگست ۱۹۷۲ء



لفظِ امام کی قرآنی حکمت اور معنوی وسعت

لفظِ امام قرآن میں بارہ دفعہ آیا ہے۔

”امام“ کا لفظ قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر واحد اور جمع کے صیغوں میں کُل بارہ دفعہ مذکور ہوا ہے، اگر ان تمام آیات مقدسہ کو، کہ جن میں لفظِ امام اور اس کے معنی و مقصد کا تذکرہ موجود ہے، یکجا طور پر عقل و دانش سے دیکھا جائے، تو اس سے یقیناً اس امر کا بخوبی اندازہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں امام شناسی کی حقیقتیں کس جامعیت کے ساتھ بیان فرمائی ہیں، اور اس نے امام کے موضوع میں کس قدر بے پایان وسعت معنوی رکھی ہے، کہ قرآنی حکمت کی عظیم کائنات فی الاصل اسی امامت کے موضوع کے باطن میں واقع ہے، کیونکہ امام عالی صفات علیہ السلام کا پاک نور حقیقتِ اسحاقی ہے، اس لئے امام کی حقیقتِ عالیہ کے تحت تمام موجودات کی حقیقتیں جمع ہو جاتی ہیں، چنانچہ ہم یہاں علی الترتیب ان بارہ آیتوں کی کچھ وضاحت کرتے ہیں، جن کے معانی و مطالب میں اسمِ امام کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

قرآنی حکمت کی کائنات

حقیقتِ اسحاقی

البقرہ (۲) کی آیت ۱۲۴ میں پروردگارِ عالم نے

فرمایا ہے کہ: ”وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا۔ اور (وہ وقت یاد کیجئے) جبکہ ابراہیم کے رب نے اس کا امتحان لیا چند کلمات سے تو اس نے انہیں پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا کہ میں تمہیں سب انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔“

یہاں پر یہ سوال ضرور ہونا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ نے جن کلمات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا وہ کس نوعیت کے کلمے تھے اور یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ آیا حضرت ابراہیم پیغمبر تھے یا کہ امام؟ اگر کہا جائے کہ آپ ان دونوں درجوں پر فائز ہوئے تھے، پھر سوال ہوگا، کہ آیا وہ پیغمبر پہلے ہوئے تھے یا امام؟ اگر جواب ملے کہ آپ پہلے پیغمبر پھر امام ہوئے تھے، تو پھر اس کی توجیہ کرنی ہوگی، نیز یہ سوال بھی ہو، کہ حضرت ابراہیم دنیا بھر کے انسانوں کے امام کیسے ہوئے؟ یعنی سیارۃ زمین کے تمام براعظموں میں آپ نے کس طرح تبلیغ و دعوت کا کام انجام دیا، جبکہ اس زمانے میں پیغام رسانی کے ذرائع محدود تھے؟

جاننا چاہیے، کہ وہ کلمات، جن پر حضرت ابراہیم کو آزمایا گیا، جسمانی اور روحانی حدود کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے عظام تھے، مثلاً ابتدائی اسم میں حضرت آدم کی روحانیت تھی، دوسرے میں حضرت نوح کی روحانی

حضرت قائمؑ

مشائیں موجود تھیں، تیسرے میں خود حضرت ابراہیم کے ماضی و مستقبل پر روشنی ڈالی گئی تھی، چوتھے میں حضرت موسیٰ کے تمام روحانی واقعات و معجزات دکھائے گئے تھے، پانچویں اسم میں حضرت عیسیٰ کی روحانی زندگی مندرج تھی، چھٹے میں حضور اکرمؐ کے روحانی کارنامے دکھائے گئے تھے اور ساتویں اسم یا کہ کلمہ میں حضرت قائم القیامت علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے روحانی معجزات پر شیدہ تھے، نیز ان میں سے ہر ایک اسم کے ساتھ ان حقیقتوں کی روحانی مثالیں بھی موجود تھیں، کہ عقل اکمل، نفس کمل، حبد، فتح اور خیال کس معجزانہ طریق سے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو تائید پہنچاتے رہتے ہیں۔

واضح رہے، کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو پہلے نبوت و رسالت کے منصب جلیلہ سے اور اسکے بعد امامت کے درجہ عالیہ سے سرفراز فرمایا، چونکہ امامت عالیہ کے کئی درجات ہیں۔ جن میں سے بعض درجات نبوت سے پہلے اور بعض اس کے بعد آتے ہیں، تاکہ امام علیہ السلام مصلحت وقت کے مطابق ان میں سے کسی درجے میں طہ ہو فرمائے اور حاضر ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے انسانوں کے لئے امام مقرر ہونے کے کئی معانی ہیں، اول یہ کہ آپ زمانہ آدم سے لیکر اپنے وقت تک ماضی میں سارے لوگوں کے امام تھے، دوسرے یہ کہ اپنی زندگی کے دوران حال میں

حضرت ابراہیمؑ ام
لوگوں کے امام تھے۔

حضرت ابراہیمؑ ایک فرد
اور ایک اُمت

امام تھے، تیسرے یہ کہ اپنے سلسلہ اولاد کی حیثیت سے مستقبل میں امام ہونے، آپ زمانہ ماضی میں اس طرح امام تھے، کہ دورِ آدمؑ اور دورِ نوحؑ کے تمام پیغمبروں اور اماموں کی روحانیت میں آپ کی روحانیت بالکل اسی طرح شریک اور شامل تھی، جس طرح کہ آپ کی روحانیت میں اُن سب کی روحانیت ہمارا وہہکار تھی، چنانچہ اسی معنی میں ارشاد ہوا ہے:

” اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۶ بیشک ابراہیم ایک فرمانبردار اُمت تھا بالکل ایک طرف کے ہونی والا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا،“ اُمت کے معنی امام بھی ہیں اور اُمت بھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہاں دونوں معنی درست اور موزون ہیں، کہ آپ راہ نمائی کی حیثیت میں امام تھے اور حضراتِ انبیاء و ائمہ کی روح و روحانیت کا جامع ہونے کی وجہ سے ایک پوری اُمت تھے۔

آپ زمانہ حال یعنی اپنے وقت میں دنیا بھر کے لوگوں کے امام اس طرح تھے، کہ کثرۃ ارض کے بارہ حصے مانے گئے ہیں، اور ہر حصہ کو جزیرہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع جزائر ہے، چنانچہ ان بارہ جزائر میں سے ہر جزیرے میں ایک حجتِ شب اور ایک حجتِ روز کے علاوہ تیس داعی ہمیشہ موجود ہوا کرتے ہیں، اور ہدایت کے مرکز سے خواہ پیغمبر ہو یا کہ امام، کثرۃ ارض کے بارہ جزیروں کے تمام حجتوں کو معجزانہ ہدایت ملتی

امام کے ۱۲ حجت

رہتی ہے، پس اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وقت میں دنیا کے سب لوگوں کے امام تھے، مگر پیغمبر اور امام کے ایسے معجزات کے لئے اقرار کرنا عوام الناس کے بس کی بات نہیں، جب تک کہ یہ حقائق ان کے مشاہدے میں نہیں آتے ہیں، اور جب تک کہ اس دنیا میں روحانیت کا دور دورہ نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہے کہ خناس (شیطان) جو جقت اور انسان کی دونوں صورتوں میں ہے، وہ لوگوں کے سینوں میں وسوسہ (بڑے خیالات) ڈالا کرتا ہے، پس اگر میسکن ہے، کہ شیطان دُور و نزدیک کے لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈال کر گمراہ کر سکتا ہے، تو دوسری طرف سے یہ بھی ممکن ہے، کہ پیغمبر اور امام قریب و بعید کے کسی فرق کے بغیر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ شیطان مُضِل ہے یعنی گمراہ کر دینے والا، اور پیغمبر یا کہ امام ہادی ہے، یعنی رہنمائی کرنے والا، پس اگر قانونِ قدرت مُضِل کی آواز لوگوں کے دلوں تک پہنچا دیتا اور ہادی کی آواز کسی طرح سے بھی نہ پہنچا دیتا، تو اس صورت میں لوگوں پر بڑا ظلم ہوتا، اور قیامت کے روز لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر یہ حجت قائم ہوتی، کہ اُس نے دنیا میں کیوں گمراہی کے ذریعے کوہمہ رس اور ہدایت کے وسیلے کو مٹا کر رکھا تھا؟ مگر حقیقت کچھ اور ہے، وہ یہی کہ پیغمبر اور امام بارہ جزائر کے حجّتوں کو روحانی اور نورانی

ایک عجیب دلیل

ہدایت پہنچاتے ہیں، اور حج (یعنی مُجْتَمَان) اپنے اپنے داعیوں کے توسط سے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ مقبل میں تمام لوگوں کے امام اس معنی میں تھے، کہ جس طرح آپ کی ذات عالی صفات میں زمانہ سلف کے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی معجزاتی روحانیت موجود تھی، بالکل اسی طرح آپ کے سلسلہ اولاد میں آپ کی زندہ روحانیت موجود اور حاضر تھی، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: "وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝۲۲" اور میرے لئے بعد میں آنے والے لوگوں کے درمیان سچائی کے ایک زبان مقرر فرمادے، یہ عرض حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم سے کی تھی، نیز ارشاد ہوا ہے کہ: "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝۲۲" اور اس (یعنی ابراہیم) نے اسے (نبوت اور امامت کو) اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ قرار دیا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرتے رہیں؛

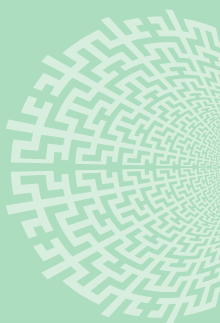
یہاں اس بات سے کہ ابراہیمؑ نے اپنی نبوت و امامت کو ایک پائندہ کلمے میں اپنی اولاد میں منتقل کر دی، اُس حقیقت کی مزید تصدیق ہوئی، جو بتائی گئی تھی، کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے جن کلمات پر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا امتحان لیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے زندہ نام تھے، جو انبیاء، ائمہ اور ملائکہ کی روحانی صورت میں تھے۔

پس معلوم ہوا، کہ ابراہیمؑ خلیل الرحمن المعصومی میں

باقی رہنے والا کلمہ



سب دنیا جہان والوں کے امام ہیں، جب یہ نظریہ مانا گیا، کہ
نورِ امامت ایک شخصیت سے دوسری شخصیت میں منتقل
ہوتے ہوئے ہمیشہ دنیا میں موجود ہے، تو یہ بھی ماننا لازمی ہے،
کہ اسی نورِ امامت سے دنیا کے تمام حجّتوں کو، جو بارہ جزیروں
پر منقسم ہیں، تائیدی ہدایت ملتی رہتی ہے۔



لفظِ امام کے لغوی معنی

سورہ توبہ (۹) کی بارہویں آیت کا ارشاد ہے کہ:

”وَإِنْ تَكَثَّرُوا بِمَا نَهَمْتُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أُمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَأَيْمَانَ لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ - اور اگر انہوں نے اپنے عہد و پیمان کے بعد تمہیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کی تو تم (بھی) کفر کے سرداروں کے خلاف جنگ کرو تاکہ وہ باز آجائیں، بے شک وہ ایسے ہیں، کہ ان کی قسم کچھ چیز نہیں“

اس ارشادِ الہی سے ظاہر ہے، کہ ائمہ، جو امام کی جمع ہے کفر کے سرداروں کے لئے بھی آیا ہے، چنانچہ معلوم ہوا، کہ امام کے لغوی معنی سردار کے ہیں، اور کسی گروہ کے سردار سے ایک ایسا شخص مراد ہے، جو سب سے مقدم اور بڑا ہو، مثلاً اگر کہا جائے کہ فلان شخص کافروں کا سردار ہے، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی کافر نہیں، اور کفر کا کافر ہی کا سبب اور ذریعہ وہی ہے، اور کافروں کی ساری نافرمانیوں اور گمراہیوں کی مسئولیت بھی اُسی پر ہے، اس کے

مقابل میں اگر کہا جائے، کہ فلان شخص مومنوں کا سردار ہے، اور یہ بات صحیح ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اُس سے بڑھ کر کوئی مومن نہیں، اور ایمان و مومنوں کا وسیلہ و ذریعہ وہی ہے، اور ساری ایسا نذاری اور ہدایت اسی کی وجہ سے ہے، اور امام زمان ہی ایسا شخص ہو سکتے ہیں۔

اس فرمان الہی کی تعلیم سے جب یہ حقیقت ثابت ہوئی، کہ کفر و کافر کی سرداری ہوا کرتے ہیں، اور ان کے بغیر ظلمت کفر دنیا میں پھیل نہیں سکتی، تو دوسری طرف سے لازماً یہ بھی ماننا ہی پڑے گا، کہ ہمیشہ سے دین و ایمان کے بھی سردار ہوا کرتے ہیں، اور ان کے حاضر و موجود ہونے کے بغیر مانے میں دین و ایمان کی روشنی جاری نہیں ہو سکتی ہے۔

حکمت کا ایک اور مفہوم اس آیت کریمہ میں یہ ہے، کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ہی حاضر و موجود سردار (امام) کے حکم کے تحت منظم اور متفق و متحد ہو جائیں، کیونکہ ارشاد ہے کہ ”تم (سب مسلمان) کفر کے سرداروں کے خلاف جنگ کرو“ اور اس امر الہی پر عمل نہیں ہو سکتا، جبکہ کفر کے سردار کے مقابلے میں ایمان کے سردار موجود نہ ہوں اور دنیائے اسلام ان کے حکم کو تسلیم نہ کرے، اور اگر کہا جائے، کہ اس وقت ایمان کا کوئی ایسا سردار موجود نہیں جو سارے مسلمانوں کو منظم کر سکے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ نعوذ باللہ منھا خدا خواہ مخواہ انہونی باتوں کے لئے بھی حکم دیتا ہے، یا اس

ہر چیز کی سردار
ہوتی ہے۔

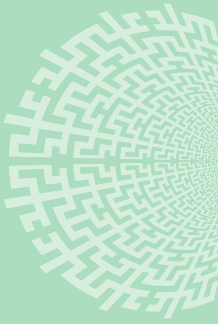
کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاد کا یہ حکم رسول اللہ کے زمانے سے متعلق و محمّد ہے، لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ خدائے حکیم نے جہاد جیسے ایک اہم رکن کے بنیادی ذریعے کو اب دین اسلام سے اٹھالیا ہو، آپ خود خداوندی عدل انصاف کی روشنی میں سوچئے!

ظاہری جہاد نہ سہی علمی جنگ سہی بہر کیف سب مسلمانوں کے لئے سردار یعنی امام کی ضرورت ہے، آپ اس کمرۂ ارض کے تمام سلیمین کی خستہ حالی اور بیچارگی کا تصور کر کے کوئی بنیادی سبب بتائیے، کہ آج مسلمان ہر جگہ مجبور کیوں ہیں؟ اور آپ اس کے سوا اور کیا بتائیں گے، کہ جو مسلمان رسول اکرم صلعم کے زمانے میں متفق و متحد تھے وہ آج متفرق و منتشر ہیں، اور ان کے اس افتراق و انتشار میں صدیاں گزر گئیں، حالانکہ پُر روگارِ عالم نے اس خطرناک نافرمانی سے بچنے کے لئے بروقت ارشاد فرمایا تھا کہ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**۔ تم سب کے سب بل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور فرقہ فرقہ نہ ہو جانا (کیونکہ تمہارے ہاتھ اس رسی سے چھوٹ جانے کا خطرہ ہے) اب فرقہ فرقہ ہو جانے کا الزام مسلمانوں ہی پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رسی پر، کہ اس نے کیوں ان کو زور و زبردستی سے ایک مرکز پر نہیں لایا، کیونکہ خداوندِ عالم نے یہاں یہ نہیں فرمایا، کہ میری رسی! تم سارے

علمی جہاد

اللہ کی رسی کی
حکمتیں

مؤمنین و مسلمین کو اپنی ذات کی معرفت سے وابستہ کئے رکھنا
اور ان کو فرقہ فرقہ نہ ہونے دینا، بلکہ اُس نے تو یہ فرمایا کہ
اے گروہِ مسلمین! تم سب یکجا طور پر خدا کی مضبوط رسی کو بڑھی
مضبوطی سے پکڑے ہوئے رہنا اور فرقہ فرقہ نہ ہو جانا۔



کیا کوئی آسمانی کتاب ہوتی ہے؟

سورۃ ہود (۱۱) آیت ۱۷ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ اِمَامًا وَرَحْمَةً ۗ تو کیا جو شخص اپنے پُروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو، اور اس کے پیچھے ہی پیچھے اسی سے ایک گواہ ہو اور اس کے قبل موسیٰ کی کتاب (توریت) جو (لوگوں کے لئے) امام اور رحمت تھی (اس کی تصدیق کرتی ہو وہ شخص بہتر ہے یا کوئی دوسرا)۔

اس آیت کریمہ کی تعلیم یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے رب کی طرف سے دلیل روشن پر ہیں یعنی آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں، اور علی مرتضیٰؑ جو آپ کا جزد ہیں، آپ کے پیچھے ہی پیچھے حضور کی حقانیت کا ایک گواہ ہیں، اور اس کے باجے میں ایک اور گواہ آنحضرت کے قبل حضرت موسیٰ کی کتاب توریت ہے، جو لوگوں کے لئے امام اور رحمت تھی، اور یہ ساری حقیقتیں مسلمہ ہیں مگر سوال کتاب موسیٰ یعنی توریت کے باجے میں ہے، کہ وہ کس حیثیت میں امام تھی؟

کتاب سے امام مراد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ بات عربی زبان کے دستور میں شامل ہے، کہ بعض دفعہ کسی چیز کو دوسری ایسی چیز کے نام سے پکارا جاتا ہے، جو اکثر اس کے ساتھ ہو، مثلاً اُس اونٹ کو، جو پانی کی مشکیں لانے کے لئے مقرر ہو، مشک یا مشکیزہ کہا جاتا ہے، اور یہ مثال عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی مل سکتی ہے، چنانچہ اہل علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں، کہ آنحضرت صلعم کو قرآن مجید (۱۱۰) میں ذکر کے اسم سے موسوم کیا گیا ہے، حالانکہ ذکر قرآن کا نام ہے، اور اس معنی میں حضور اکرم صلعم کو قرآن کہا گیا ہے، اور یہ بات کئی وجوہ سے درست ہے جن میں سے کچھ وجہیں ظاہری اور کچھ باطنی ہیں، پس ثابت ہوا، کہ روحانی پیشوا (پیغمبر یا امام) کو کتاب الہی اور کتاب سماوی کو پیشوا یا امام کہا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اسمانی کتاب یعنی توریت کو امام کے اسم سے موسوم کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے، کہ ہر الہامی کتاب فی الاصل ایک زندہ نور یعنی علم و حکمت کی روح کی حیثیت سے ہوتی ہے، اور وہ بحقیقت امام ہی کی روح ہے الغرض مولانا ہارون علیہ السلام کی روح مقدس حضرت موسیٰؑ پر بصورت روحانی کتاب وحی کی گئی تھی، پھر ان روحانی حالات و واقعات کی کچھ ترجمانی کرتے ہوئے کاغذی تحریر کی توریت لکھی گئی تھی۔ مگر اصل توریت روحانی اور نورانی صورت میں موجود تھی، یعنی حقیقی توریت تو امام عالی صفات کے نور

کتاب سے حضرت
ہارونؑ مراد ہے۔

سے جُدانہ تھی، جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ہر
 قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى
 نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ
 تُبَدُّونَهَا وَتُحْفُونَ كَثِيرًا ﴿٦﴾ (۱۷ رسول) آپ کہہ
 دیجئے وہ کتاب جسے موسیٰ لیکر آئے تھے کس نے نازل
 کی تھی جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی جسے تم لوگوں نے
 کاغذات کی (تحریری) صورت دی ہے، جس میں کچھ تو ظاہر
 کرتے ہو اور اکثر چھپاتے ہو۔

اس آیتہ مقدسہ کی حکمت یہ بتاتی ہے، کہ توریت دو
 صورتوں میں موجود تھی، چنانچہ پہلی اور اصلی صورت میں توریت
 علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے معجزاتی نور اور ہمہ گیر مقدس
 روح کی حیثیت سے ہارون اور موسیٰ علیہم السلام کے دل و
 دماغ میں موجود تھی، جس سے بمصداق ”هُدًى لِّلنَّاسِ“
 اس طرح لوگوں کو معجزانہ ہدایت ملتی تھی، کہ براہ راست جنتان
 جزائر کو الہامی روشنی حاصل ہوتی تھی، پھر وہ اپنے اپنے دلیعوں
 کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کرتے رہتے تھے، دوسری صورت
 میں توریت جو کچھ بھی تھی، اس کا حال آیتہ مندرجہ بالا میں ظاہر
 اور واضح ہے۔

اب اس قرآنی حکمت کی تفصیل سے یہ حقیقت پائیے
 نبوت کو پہنچ گئی، کہ توریت یقیناً اپنی اصلی حالت اور نور
 کیفیت میں امام تھی، جس سے حضرت مولانا ہارون علیہ السلام

کا پاک نور مراد ہے، اس حقیقت کی مزید تصدیق و توثیق کیلئے اس آیت مقدسہ پر ذرا غور کیا جائے کہ:-

قرآن امام میں رُوح =
نور ہے۔

”وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا فَهَدٰىيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۗ۲۲“
اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف (یہ کتاب بصوت) ایک رُوح نازل کی ہے، آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس (رُوح) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں، اس ارشادِ الہی سے یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ قرآن حکیم کی بھی ایک ایسی روحانی اور نورانی اصلیت و حقیقت موجود ہے، جس کو پیغمبر اور امام کا نور کہا جاتا ہے۔

عظیم رُوح نور ہے۔

اگر کوئی شخص الہامی کتاب اور نور کے مذکورہ حقائق و معارف کے باوجود، جو قرآن حکیم کی روشنی میں بیان ہوئے، یہ سوال کرے، کہ آسمانی کتاب پیغمبر اور امام کے نور میں کس طرح موجود ہو سکتی ہے؟ تو اس کا افضل جواب مہرِ عقلی طور پر دیا جائے گا، کہ دیکھو جب تم اپنے کسی عزیز کو ایک خط لکھتے ہو، تو وہ اپنے دل و دماغ کی معلومات سے لکھتے ہو، اس میں کبھی ایسا نہیں ہوتا، کہ جتنی معلومات لکھی گئی ہیں، وہ تمہارے ذہن سے خارج ہو کر خط میں اس طرح محدود ہو جائیں، جس

آسمانی کتاب پیغمبر اور
امام کے نور میں موجود
ہے۔

طرح کہ کوئی مادی چیز ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈالنے کے بعد پھر وہ چیز پہلے برتن میں پانی نہیں جاتی ہے، بلکہ وہ معلومات، جو خط میں تحریر ہوئی ہیں، تمہارے دل و دماغ میں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں، ان میں ذرا بھی کمی نہیں آتی، وہ جب تک انسانی ذہن میں ہیں، تو ان کی تحریر ہی صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ معلومات قلبی اور ذہنی کیفیت میں موجود ہوتی ہیں اور یہ بات اس بحث سے علیحدہ ہے، کہ انسان اپنی قوتِ ارادی سے خیال میں بھی کوئی تحریر کر سکتا ہے۔ پس اس مثال و دلیل سے یہ حقیقت واضح ہو گئی، کہ قرآن کے علم و حکمت کا جو معجزاتی نور محمد و علی علیہما السلام کی ذاتِ اقدس میں طلوع ہوا تھا، وہ قرآن کے لکھنے سے کم نہیں ہو سکتا تھا۔

اب اگر یہاں یہ سوال بھی ہو، کہ قرآن پیغمبر اور امام کی معلومات میں سے نہیں لکھا گیا تھا، بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آنحضرتؐ پر نازل فرمایا تھا، تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا، کہ بیشک قرآن آنحضرتؐ پر لوحِ محفوظ سے نازل کیا گیا ہے، لیکن یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے، کہ وہ کس طرح نازل ہوا ہے اور لوحِ محفوظ کیسے ہے، چنانچہ جاننا چاہئے، کہ قرآن ایک زندہ روح کی حیثیت سے حضور اکرمؐ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا ہے، اور نزولِ قرآن کا تذکرہ اسرارِ روحانیت سے مملو ہے، جس کے لئے جداگانہ کوئی مقالہ ہونا چاہئے، المختصر یہ ہے، کہ جو چیز دل میں نازل ہوتی ہے

قرآن کے علم و حکمت کا
معجزاتی نور محمد و علی
علیہما السلام کی ذاتِ
اقدس میں

لوحِ محفوظ کیسے؟

نزولِ قرآن اسرارِ
روحانیت سے مملو ہے

وہ معلومات اور مقولات کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اور اگر دل پاک ہے تو معلومات و مقولات کا یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے، تا آنکہ ساری کائنات و موجودات اس میں سمو آتی ہیں، چنانچہ قرآن کی روح جو حضور اکرم صلعم پر وحی کی گئی تھی، آپ کی ذات اقدس میں عالم ملکوت (فرشتوں کا عالم ابن کراگئی تھی، وہ علم و حکمت اور کشف حقیقت کی ایک جیتی جاگتی روشن دنیا تھی، جس کے مشاہدات اور تجربات کی ترجمانی عربی زبان میں حضور انور صلعم نے فرمائی، اور اسی طرح قرآن پاک کی تحریری صورت جمع کی گئی، لیکن قرآن کی روح یا کہ نور بلا کم و کاست حضور کی ذات شریفی میں آخری وقت تک موجود تھا۔

قرآن کی روح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں عالم ملکوت بن کر آگئی تھی۔

روح قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں کس طرح آئی؟

امام کا نور = لوح محفوظ

اب رہا سوال کہ پھر یہ روح علی مرتضیٰ میں کس طرح آئی؟ اس کے لئے جو اباً تحریر کی جاتی ہے، کہ (بِحْمٍ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ)۔ نور علی، امام مبین، کتاب مبین، اُمّ الکتاب اور لوح محفوظ ہے اور اس میں سب کچھ ہے، اور امام کے نور کے سوا دوسری کوئی چیز لوح محفوظ کے درجے میں نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اگر لوح کے لفظی تصور سے یہ مان لیا جائے، کہ خدا کی ایک بہت بڑی تختی ہے، جس پر ہر چیز لکھی ہوئی موجود ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اس ظاہری قسم کی تحریر اور لکھت میں ہر چیز نہیں آسکتی ہے، مثلاً عقل، شعور، فہم، نطق، تمیز، خوشحالی

غم و غصہ، علم، علم اور زندگی کے علاوہ عقول، نفوس، ملائکہ اور کائنات و موجودات کی ہر چیز نیز زمانہ اور اس کے بدلتے ہوئے حالات وغیرہ، یہ تمام باتیں ”کُلُّ شَيْءٍ“ میں داخل ہیں، پس معلوم ہوا، کہ لوح محفوظ امام کے نور کا نام ہے، اور یہ نور کائنات و موجودات کے ظاہر و باطن پر محیط و حاوی ہے اور اسی طرح اس میں سب کچھ ہے۔

جاننا چاہئے، کہ عقل کُلُّ خدا کا زندہ قلم ہے اور نفس کُلُّ خدا کی زندہ تختی ہے، نیز یہ بھی جاننا چاہئے، کہ عقل کُلُّ محمدؐ کا نور ہے، اور نفس کُلُّ علیؑ کا نور ہے، اور قرآن عقل کُلُّ کے قلم سے نفس کُلُّ کی لوح پر روحانی تحریریں لکھا گیا ہے، اب آپ ہی بتائیے، کہ آنحضرتؐ کی شخصیت پر جو روحانی تحریریں منکشف ہوئیں یا جو قرآن نازل ہوا، وہ کہاں سے ہوا، علیؑ عالی صفات کے نور سے، جو لوح محفوظ کے نام سے مشہور ہے، اگرچہ آنحضرتؐ کا نور قلم الہی کی حیثیت سے تھا، لیکن قلم نے تو ازل میں خدا کے امر سے لوح پر سب کچھ لکھ دیا ہے، اور اب ہر چیز لوح محفوظ پر موجود ہے، نیز ظاہر ہے، کہ لکھنے کے لئے قلم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور پڑھنے کے لئے تختی کی طرف، پس معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کے نور کو ام الکتاب اور لوح محفوظ سے خدائی تحریریں کی حکمت کا مشاہدہ کیا تھا، اور یہیں سے یہ پاک قرآن حاصل آیا ہے۔

نور امام کائنات و موجودات کے ظاہر و باطن پر محیط و حاوی ہے۔

عقل کُلُّ = قلم الہی =
نور محمدؐ
نفس کُلُّ = لوح محفوظ
= نور علیؑ

قلم نے حکم خدا ازل میں ہر چیز لوح محفوظ پر لکھ دی۔

امام مبینؑ

سورۃ حجر (۱۵) آیہ ۷۹ میں ارشاد ہے کہ :-
 ”فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا بِلِأَمَامٍ مُّبِينٍ ۗ۱۵۹-
 پس ہم نے ان سے بدلہ لیا اور یقیناً وہ دونوں (اجڑی ہوئی
 بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں“

اس آیہ کریمہ کا ظاہری پہلو قوم لوط اور قوم شعیب
 اور ان دونوں کی بستیوں سے متعلق ہے، کہ وہ لوگ اپنے پیغمبر
 کو جھٹلانے کے انجام میں عذابِ الہی سے ہلاک ہوئے تھے،
 اور ان دونوں کی بستیاں تباہ و برباد ہو چکی تھیں، چنانچہ قوم
 لوط کی بستیاں سدوم وغیرہ اور قوم شعیب کی بستی مدین
 تباہ و برباد ہو جانے کے آثار و نشانات عرب سے شام کو
 جاتے ہوئے اب بھی نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں لفظِ امام لغوی لحاظ سے رستے کے
 معنی میں آیا ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں، کہ حکمت کے
 اعتبار سے بھی امام رستہ ہیں، یعنی صراطِ تقسیم اور سبیلِ خدا،
 اور رستے کے دوسرے اور بھی نام ہیں، جیسے مذہب، مسلک،
 شریعت، طریقت، مہناج وغیرہ، تو ان تمام الفاظ سے امام

لفظِ امام لغوی لحاظ سے
 رستے کے معنی بھی رکھتا
 ہے۔
 حکمت کے اعتبار سے
 بھی امام رستہ ہیں۔

عالی صفات مراد ہے، کیونکہ دنیاوی اور مادی اعتبار سے راہ اور راہ ناما دو الگ الگ چیزیں ہوا کرتی ہیں، مگر دینی اور روحانی لحاظ سے ہدایت کے واحد نور کا نام راہ بھی ہے اور راہ ناما بھی، اس حقیقت کی ایک روشن دلیل قرآن پاک سے یہ ہے جو ارشاد ہوا ہے کہ: ”إِنَّ رَحْمَتَ عَلِيٍّ صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ۔ لِقِنَا مِيرَاطِ رُذَكَارِ سِيدِ مِی رَاہِ پَرِہے“ یعنی چرخ ہدایت اور نور معرفت کی روشنی میں خدا ملتا ہے، یا اس مطلب کو سادہ الفاظ میں یوں ادا کرنا چاہتے، کہ امام اقدس کا پاک نور ہی وہ سیدھا رستہ ہے جس پر کہ خدا ہے، اور بندگان خدا کے لئے خدا کا حقیقی تصور، دیدار و ملاقات اور معرفت اسی نور کے رستے پر لقینی ہے، اور نور کا یہ رستہ ہمیشہ کے لئے قائم و باقی ہے۔

اس آیت مقدّسہ کی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ امام مبین کا مطلب جیسا کہ ذکر کیا گیا صراطِ مستقیم ہے، جو نور کا راستہ ہے، چنانچہ جب حقیقی مومنین امام مبین کی روحانیت و نورانیت کے رستے پر چلتے رہتے ہیں، تو وہ دیدہ دل سے سابقہ امتوں کی بے شمار مثالوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، اور اس سلسلے میں قوم لوط اور قوم شعیب اور ان دونوں کی بستیوں کا حال بھی شامل ہے۔

نیز اس ارشادِ الہی میں ایک اور حکمت یہ بھی ہے، کہ عددی اصول کے اعتبار سے ”ایک“ کا عدد اللہ تعالیٰ

روحانی اعتبار سے نور ہدایت راہ بھی ہے اور راہ ناما بھی۔

امام اقدس کے پاک نور کے رستے پر ہی دیدار و ملاقات اور معرفت ہے۔

حقیقی مومنین کا دیدہ دل سے سابقہ امتوں کے بے شمار مثالوں کا مشاہدہ کرنا

کی وحدانیت پر دلیل ہے، اور اس کے بعد ”دو“ کا عدد آتا ہے، جو وحدت اور کثرت کے درمیان ہے، یعنی دونوں کے مابین واسطہ اور وسیلہ ہے، اور اس کی ایک خاصیت یہ ہے، کہ کثرت کو وحدت کے قریب لاتا ہے، پس دو کا عدد از روئے حکمت مخلوقات و موجودات میں سے ایسی دو ہستیوں کے لئے مقرر ہے، جو دونوں جہان میں خدا کے بعد انہی کا درجہ ہے، جس طرح اعداد و شمار میں ایک کے بعد دو آتا ہے، اور وہ دو ہستیاں ہیں عقلِ کل اور نفسِ کل، چنانچہ اب اس لحاظ سے ”وَ اِنَّهُمَا لَبِ اِمَامٍ مُّبِينٍ“ کی تاویل یہ ہے کہ: عقلِ کل اور نفسِ کل امامِ مبین کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ عالم ہست و بوجد اور حد و روحانی میں سب سے عظیم و وفرتھے یہی ہیں۔

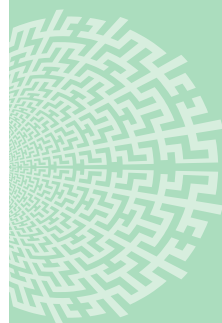
نیز جانا چاہیے، کہ مراتبِ کائنات میں دو سب سے بڑی چیزیں عرش و کرسی ہیں، عالمِ علمِ الہی میں قلم و لوح ہیں، کون وحدت میں ربوبیت و عبودیت ہیں، دنیائے اسلام میں قرآن و حدیث ہیں، حد و جسمانی میں ناطق و اساس (محمد و علی علیہما السلام) ہیں، دائرہ ہستی میں روحانیت و جسمانیت ہیں، مقاماتِ تعلیم میں مجمع البحرین یعنی دو ملے ہوئے سمندر ہیں، عرصہ وجود میں دنیا و آخرت ہیں وغیرہ، چنانچہ ”انہما“ کی اس ضمنی تشریح میں مذکورہ دنیاؤں کی ان عظیم چیزوں کی طرف اشارہ ہے، کہ جن پر

دو کا عدد عقلِ کل اور
نفسِ کل پر دلالت کرتا
ہے۔

”عقلِ کل اور نفسِ کل
امامِ مبین کے ساتھ ہیں۔“

دو کے عدد کا بحقیقت اطلاق ہوتا ہے، پس یہ حقیقت واضح اور روشن ہوئی، کہ امام مبین اُن تہستی کا نام ہے، جسکی ذاتِ عالی صفات سے کوئی حقیقت جدا اور دُور نہیں۔

امام مبین کی ذاتِ عالی
صفات سے کوئی حقیقت
جدا نہیں۔



امام کی دائمیت کا تصور

سورہ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۷۱ میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ"۔ جس دن ہم تمام (زمانوں کے) لوگوں کو اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ یاد رہے، کہ یہ آیت لفظی معنی کے لحاظ سے اس قسم کی ہے، جس طرح کہ: قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ پُرَّ سب قَبِيْلُوْنَ نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کی حکمت کے سلسلے میں یہاں سب سے پہلے لفظ "اناس" کا مطلب سمجھنا ضروری ہے، اور وہ اس طرح سے ہے، کہ انسان انس کی جمع ہے، اور اس کی دوسری صورت اناسی ہے، جو کہ قرآن کریم میں لوگوں کی چھوٹی تقسیم کے لئے آیا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لوگوں کو اُمّتِ موسیٰؑ یا کہ قومِ موسیٰؑ کہا جاتا ہے، اور انہیں کسی اضافت و نسبت کے بغیر اناس بھی کہا جاتا ہے، مگر سب کو ملا کر اناس نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ اناس قرآن میں لوگوں کی چھوٹی تقسیم کے لئے استعمال ہوا ہے، یعنی حضرت موسیٰؑ کی قوم کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلے کو اناس کہا گیا ہے۔ اس کا

لفظ "اناس" کے معانی

مطلب یہ ہوا، کہ امام وقت کی نسبت سے انسانوں کو اناس کہا گیا ہے۔ جس طرح کہ پیغمبر کی نسبت سے لوگوں کو اُمت یا قوم کہا جاتا ہے، چونکہ ہر ناطق پیغمبر کے دور میں کئی امام ہوا کرتے ہیں، پس ہر امام کے زمانے کے لوگ اُمت اور قوم نہیں کہلاتیں گے بلکہ اناس کہلاتیں گے۔

حقائق بالامتھر ہیں، کہ امام عالی مقام ہمیشہ سے دنیا والوں کے درمیان موجود و حاضر ہیں، اور یہی سبب ہے، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی عدالت گاہ میں ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے امام وقت کے ساتھ بلا لے گا۔ یہ اس لئے کہ خدا نے امام کو دنیا والوں کے لئے سرچشمہ ہدایت اور وسیلہ نجات بنایا ہے، مگر لوگوں نے اسے نہیں پہچانا، نیز اس لئے کہ امام علیہ السلام لوگوں کے اعمال پر گواہ ہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کا فیصلہ نہیں فرماتے گا، جب تک کہ امام علیہ السلام ان کے اعمال کے متعلق گواہی نہ دے۔

اس اصول کا جاننا ضروری ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات پیغمبر اور امام علیہم السلام کی نسبت سے ہیں۔ اور ایسی صفات معلوم کر لینے کا طریقہ یہ ہے، کہ خدا تعالیٰ کے تنو ناموں کو دیکھا جائے، پھر پیغمبر کے تنو ناموں کو دیکھا جائے اور اس کے بعد امام کے تنو ناموں کو دیکھا جائے، اب خدا کے جو جو اسم صفاتی پیغمبر اور امام کے اسماء میں آئیں

امام وقت کی نسبت سے لوگ اناس کہلاتے ہیں۔

امام لوگوں کے اعمال پر گواہ ہیں۔

اللہ کی بعض صفات پیغمبر اور امام علیہم السلام کی نسبت سے ہیں۔

گے، وہ خدا کے ایسے اسامہ ہوں گے، جو پیغمبر اور امام علیہما السلام کی نسبت سے ثابت ہیں۔ مثلاً خدا کے اسمائے صفائی میں سے ایک اسم الہادی ہے، یعنی ہدایت کرنیوالا، یہی اسم صفت رسول اکرمؐ کا بھی ہے اور امام اطہرؑ کا بھی، پس دانشمندان کے لئے ظاہر ہے، کہ خدا اس لئے ہادی ہے، کہ اس نے ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجا اور پیغمبر اس لئے ہادی ہے، کہ اس نے اپنے وقت میں لوگوں کی ہدایت کی اور آئندہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی آل سے امام مقرر فرمایا، اور کارِ ہدایت امام پر آ کر مکمل ہوا۔

اسی طرح خدا کے ناموں میں سے ایک نام الشہید ہے، یعنی ”گواہ“ نیز پیغمبر اور امام علیہما السلام کا بھی یہی نام ہے اور اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا نے پیغمبر گواہ کے طور پر بھیجا ہے، اور پیغمبر نے حکم خدا امام کو اپنی جگہ میں لوگوں پر گواہ بنایا ہے، پس لوگوں کے اعمال پر گواہ مطلق امام عالی مقام ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ خدا قیامت کے دن ہر زمانہ کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلا لے گا۔

لوگوں کے اعمال پر
گواہ مطلق امام عالی مقام
ہیں۔

خدا امامؑ سے ہر وقت مخاطب ہے

سورۃ انبیاء (۲۱) آیت ۳، میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے؛ ”وَجَعَلْنَاهُمْ اٰیْمَةً يَهْتَدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ اور ہم نے ان کو (لوگوں کے) ائمہ بنایا کہ وہ ہمارے امر کے بموجب لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔“

اس آیہ کریمہ کی حکمت سے صاف طور پر ظاہر ہے، کہ ائمہ برحق کا تقرر اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے، اور حضرات ائمہ پروردگارِ عالم کے منشا و امر کے مطابق لوگوں کو ہدایت کیا کرتے ہیں، نیز اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے، کہ امر و ارشاد فرماتے کے لئے اللہ تعالیٰ ہر وقت ائمہ اطہار سے مخاطب ہوتا ہے، اس خطاب الہی کو خواہ ہم توفیق خاص کہیں یا نورانی ہدایت یا وحی بہر حال امامان برحق کو خدا تعالیٰ کا امر و فرمان وقت اور جگہ کی ضرورت کے موافق تازہ بتازہ حاصل ہوتا رہتا ہے، چونکہ امر باری تعالیٰ انہی صاحبان کے لئے مخصوص ہے، یعنی یہ حضرات ایک طرف سے تو اللہ تعالیٰ کا امر و فرمان حاصل کرتے رہتے ہیں، اور دوسری طرف سے لوگوں کو نافذ کر دیتے ہیں اور اسی معنی میں حضرات اولوالامر کہلاتے ہیں۔

حضرات ائمہ پروردگارِ عالم کے امر کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔

ائمہ اطہار کو خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق خاص / نورانی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

ہر وہ دانشمند جو خدا کی ہستی کا قائل ہو، ذرا غورو
 فکر کر کے اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے، کہ خدا تعالیٰ کے قانونِ
 رحمت کی رو سے یہ بات قطعاً ناممکن ہے، کہ خدا جو رحمان و رحیم
 ہے، کسی وقت دنیا والوں سے اپنا ذریعہ امر و ہدایت (یعنی امام
 زمان) اٹھالے، نیز یہ بھی محال ہے کہ دنیا والے کسی وقت خدا
 کے سرچشمہ ہدایت سے بے نیاز ہو جائیں، پس واجب و لازم
 ہے، کہ ہر زمانے میں امام بلباسِ بشریت لوگوں کے درمیان
 حئی و حاضر ہو، خواہ نبوت کا دور ہو یا امامت کا۔

امام ہر زمانے میں بلباسِ
 بشریت لوگوں کے
 درمیان حئی و حاضر ہے۔

واضح رہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت
 خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو زمانہ گزر چکا ہے،
 اسے دورِ نبوت کہتے ہیں، اور آنحضرتؐ سے قیامت تک
 جو زمانہ گزر رہا ہے اسے دورِ امامت کہا جاتا ہے، اور ان دونوں
 زمانوں میں یہ فرق ہے، کہ دورِ نبوت میں بعض ائمہ کرام علیہم السلام
 خدا کے امر سے امامت کے ساتھ ساتھ کارِ نبوت کو بھی انجام
 دیتے تھے، لیکن دورِ امامت چونکہ دورِ قیامت ہے اسلئے
 اس میں آلِ محمدؐ کے ائمہ عظام ہرگز صرف امورِ امامت سے متعلق
 فرائض کو انجام دیتے آئے ہیں۔

دورِ امامت، دورِ
 قیامت ہے۔

پرہیزگاروں کے امام

سورۃ فرقان (۲۵) آیت ۷۴ میں لفظ امام اس انداز میں آیا ہے کہ: وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ اور وہ لوگ جو (ہم سے) عرض کیا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہمیں ہماری بیبیوں سے اور ہماری ذریت سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔

اس آیت ہر مقدسہ کی حکمتوں میں سے ایک نمایان حکمت یہ ہے، کہ اس دعا کا زیادہ تر تعلق ائمہ کرام علیہم السلام سے ہے، کیونکہ صرف وہی حضرات یہ شان رکھتے ہیں کہ اپنی اولاد اور ذریات کی حیثیت میں بھی امام بن جاتے ہیں۔

اس آیت دعا نبیہ سے یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ امام برحق اپنی اولاد و اسفاد کی شخصیتوں میں بھی امام ہوتا ہے، چنانچہ اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ درست ہے، جو کہتے ہیں کہ مولانا علیؑ شاہ کریم احمینی حاضر امام کے جانشین بشریت میں موجود و حاضر ہیں۔

آیت مذکورہ بالا کے حکیمانہ انداز میں عقل و دانش والوں

آیت مذکورہ علیہم السلام
اپنی اولاد اور ذریات کی
حیثیت میں بھی امام بن
جاتے ہیں۔

مولانا علیؑ آج بھی
موجود و حاضر ہیں۔

سلسلہ امامت کی
لائسنس

کے لئے سلسلہ امامت کی لائسنس کا ذکر موجود ہے، وہ اس طرح کہ نہ صرف زمانہ ماضی میں بلکہ حال اور مستقبل میں بھی ہر امام مذکورہ ارشاد کے مطابق اپنے پُروردگار سے یہی درخواست کرے گا، کہ وہ اپنی شخصیت کے علاوہ اپنے بیٹوں اور آئندہ نسل کی حیثیت میں بھی پرہیزگاروں کا امام بننا ہے، اور بغیر کسی لائسنس کے یہی سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ اگر بہت سے زمانوں کے بعد سیارہ زمین کی مدت عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نور امامت کو کسی دوسرے سیارے پر منتقل کر لے گا جیسا کہ شروع میں یہ نور دوسرے سیارے سے نازل ہوا تھا۔ جس کو ہبوطِ آدمؑ کہتے ہیں۔

ہبوطِ آدمؑ = نور امامت
کی دوسرے سیارے
پر منتقلی

جاننا چاہئے کہ پرہیزگاروں کا امام بننے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ امام عالی مقام کے وجودِ مبارک سے پہلے کچھ پرہیزگار لوگ موجود ہوں۔ پھر اس کے بعد امام پیدا ہو جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ امام زمان کی ہدایت کے نتیجے میں کسی کو پرہیزگاری حاصل آتی ہے اور پھر امام ان سے منسوب ہو کر ”امام المتقین“ کہلاتا ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے، کہ جب امامؑ دنیا میں ہمیشہ سے ہیں تو نتیجے کے طور پر پرہیزگار بھی ہیں اور پرہیزگاری بھی۔

پرہیزگاری امام زمان
کی ہدایت کے نتیجے میں
آتی ہے۔

ایک اور عظیم حکمت یہاں لفظ ”ذرتیت“ میں پنہان ہے، ویسے تو لفظ ذرتیت میں ایک نہیں بلکہ بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں مگر ہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہیں، کہ

ذرت اور اولاد کے درمیان فرق

ذرت اور ذرہ ایک ہی مادہ کے الفاظ ہیں۔ جاننا چاہئے، کہ ذرت اور اولاد کے درمیان بڑا فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ ذرت نام ہے ذرہ روح یا نقطہ روح کا، جو انسان کے خون و خلیات میں ہے اور ابھی تولید کے مراحل سے نہیں گزرا ہے، اور اولاد ایسے ذرات کو اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ یہ تولید کے مراحل سے آگے گزر چکے ہوں، اس حقیقت کی ایک روشن دلیل، کہ جسم انسانی کے خون اور خلیات کے اندر جو زندگی یا روح حیوانی کے بے شمار ذرات موجود ہیں، ان کا قرآنی نام ذرت ہے، ارشادِ قرآنی کی صورت میں

ذرت = روح حیوانی
کے ذرات کا قرآنی نام

یہ ہے :-
”وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي
الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝۳۱ اور ان کے لئے یہ بھی ایک معجزہ
ہے، کہ یقیناً ہم نے ان کی ذرت (یعنی ان کی زندگی کے
ذرات) کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ یعنی جو مومنین
کشتی نوح میں بوقت طوفان سوار ہوئے تھے، ان کے خون
و خلیات میں ان منکرین کی زندگی کے ذرات یعنی ذرت
موجود تھی۔ نیز کلامِ پاک میں یہ بھی ارشاد ہے :-

”وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ ۝۳۲ اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کے
پشتوں سے ان کی ذرت کو لیا۔ اس آیت کریمہ سے ظاہر
ہے، کہ حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے جو روہیں لی

گئی تھیں، ان میں دنیا بھر کے لوگوں کی روہیں شامل تھیں، کیونکہ اس موقع پر خوابِ غفلت میں سوئی ہوئی روحوں کو جس مقصد کے لئے بیدار کر دیا تھا، اس کا تعلق چپترِ روحوں سے نہیں بلکہ ساری ارواح سے تھا، بہر کیف مذکورہ بالا تینوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ذریت ان بے شمار روحوں کا نام ہے، جو انسانی خون و خلیات کے اندر ایک قسم کی خوابیدہ حالت میں موجود ہیں، جن میں سے صرف چند روہیں قانونِ فطرت کے مطابق اولاد کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں، اور باقی البتہ ویسے ہی خیال، توجہ، محبت، تعلیم، دُعائے خیر وغیرہ کی روحانی لہروں سے اپنوں اور بیگانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، یہی باتیں ائمہ طاہرین کی مذکورہ دعائیں بھی پائی جاتی ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی فرزند) دو صورتوں میں ممکن ہے؛ چنانچہ پہلی صورت جسمانیت کی ہے اور دوسری روحانیت کی، پس ”مِنْ اَزْوَاجِنَا = ہماری بیبیوں سے“ میں بیٹیوں، پوتوں، پڑپوتوں اور آئندہ نسل کا ذکر ہے، لیکن جاننا چاہئے کہ ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا = اور ہماری ذریت سے“ میں جسمانی اولاد کا تذکرہ نہیں، بلکہ اس سے روحانی فرزند مراد ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے جو دعا کی گئی ہے، اس میں حضرت ائمہ کی جسمانی بیبیاں شریک نہیں کی گئی ہیں۔

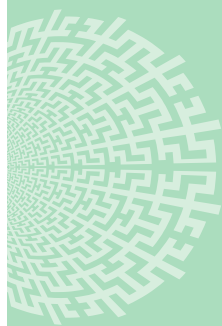
روہیں خیال، توجہ، محبت، تعلیم اور دُعائے خیر کی روحانی لہروں سے منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

ذریت سے روحانی فرزند مراد ہیں۔

امام کے روحانی فرزندوں کا درجہ

سورۃ قصص (۲۸) آیت ۵ میں لفظ امام صیغہ جمع میں اس طرح سے آیا ہے کہ: وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ زمین پر کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور انہی کو (لوگوں) کے ائمہ بنائیں اور انہی کو اس (سرزمین) کے وارث بنائیں۔

ایہ مذکورہ بالا ظاہر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور ان کے فرمانبردار مؤمنین کے بارے میں ہے، اور باطناً تمام ائمہ برحق اور ان کے سارے روحانی فرزندوں کے بارے میں ہے، اور اس آیت کا خلاصہ نتیجہ یہ ہے، کہ دنیا میں امام عالی صفات اور اس کے مرید کمزور سمجھے جاتے ہیں، ان پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر خداوند عالم منکرین کے لیے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتا ہے، اور امام اور اس کے حقیقی پیروؤں پر احسان کرتا ہے، درخت امامت کو پھلنے پھولنے کا موقع عنایت کرتا ہے، امام اور اس کے روحانی فرزندوں



دنیا میں امام عالی صفت اور اس کے مرید کمزور سمجھے جاتے ہیں۔

خدا امام اور اس کے حقیقی پیروؤں پر احسان کرتا ہے۔

ظاہری و باطنی مال و
ملک کی وراثت

امام کے روحانی فرزندوں
کا درجہ امامت میں
شامل ہونا۔

کو ظاہری و باطنی مال و ملک کا وارث بنا دیتا ہے، اور انکو دین
و دنیا کی سرداری عطا کر دیتا ہے۔

ذرا غور فرم کر کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا، کہ اس
آیہ کریمہ نے محقق مومنین یعنی امام کے روحانی فرزندوں کو
درجہ امامت میں شامل کر دیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں،
اول اس لئے کہ دنیا کی کوئی فاتح قوم اپنا کوئی سردار منتخب
کرتی ہے، تو یہ سرداری ساری قوم کی تہا بالفاظ دیگر پوری قوم
سردار ہے، دوسرا اس لئے کہ اگر ایک شخص بادشاہ بننے میں
کامیاب ہو گیا، تو اس کامیابی میں اس کے عزیز و احباب
بھی شریک ہیں، اور تیسرا اس لئے کہ اگر باپ بادشاہ ہے،
تو یقیناً بیٹا بھی بادشاہ ہوگا، یا کسی بڑے عہدے پر فائز ہوگا،
بشرطیکہ لائق اور فرمانبردار ہو۔

سوال: اگر ایک ہندو اسلام قبول کر کے امام برحق ہے
کامرید بنتا ہے تو وہ کس طرح امام کار و حافی فرزند ہو سکتا ہے
جبکہ اس کی روح ہندوانہ تعلیم سے بنی ہوئی ہے؟

جواب: اردو اس طرح امام کار و حافی فرزند
بن سکتا ہے، جس طرح کہ سلمان فارسی پیغمبر کا یا امام سکا
روحانی فرزند بن گیا تھا۔ حالانکہ وہ شروع شروع میں آتش
پرست تھا۔

سلمان فارسی پیغمبر
یا امام کار و حافی فرزند
بن گیا تھا۔

۲. اگر کوئی تالاب گندہ اور نایاک پانی سے بھرا ہوا
ہے، تو اس کو بڑی آسانی سے صاف اور پاک کر دیا جاسکتا

ہے، وہ اس طرح کہ نہر سے تالاب میں پاکیزہ پانی بہا دیا جاتے اور کچھ وقت کے لئے پانی کو جاری رکھا جائے۔ تاکہ یہ تازہ پانی اس گندہ پانی کو مخرج اور نکال سے نکال دے اور تالاب میں صاف و پاک پانی رہ جائے۔

۳۔ اس سے قبل یہ بات بتا دی گئی ہے، کہ روحیں خیال، توجہ، محبت، تعلیم، دعائے خیر وغیرہ کی روحانی لہروں سے بھی اپنوں اور بیگانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، جس میں تالاب کے گندہ پانی کی جگہ صاف پانی بھر جانے کی طرح ناپاک رُحوں کو نکال کر پاک روحیں قائم رہتی ہیں۔

۴۔ اگرچہ سب کے نزدیک یہ بات مشہور ہے، کہ انسان کے اندر تین رُوحیں ہیں، اور انسانِ کامل کے اندر چار روحیں ہوتی ہیں، تاہم یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے، کہ ان تینوں یا چاروں کے مجموعی ذرات بے شمار ہیں، اور سوائے خدا کے کوئی انسان ان کا شمار نہیں کر سکتا، پس ان لاتعداد رُحوں میں سے ایک رُوح انسان کی خودی اور انانیت کے مرکز پر کام کرتی ہے۔ باقی رُحوں کا تعلق جس عضو سے ہو، وہی کام کرتی رہتی ہیں مگر سب کے سب اس بات کی مہتممی ہوتی ہیں کہ وہ مرکز پر قبضہ کریں چنانچہ ذکر و عبادت کے نتیجے میں ان ذرات کو موقع میسر ہوتا ہے، کہ رُوح کامرزی ذرہ خدا کے نور میں تحلیل ہو جاتا ہے، اور قریب کا کوئی دوسرا ذرہ اسی وقت مرکز پر آتا ہے، اور عبادت سے ہی سلسلہ ہمیشہ کے لئے

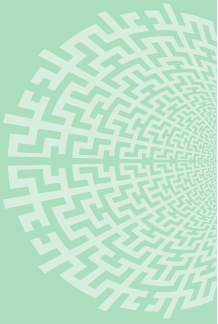
انسان کے اندر تین (۳) روحیں ہیں۔

انسانِ کامل کے اندر چار (۴) روحیں ہیں۔

خودی اور انانیت کے مرکز پر رُوح کا کام کرنا۔

رُوح کے مرکز ذرے کا نور خدا میں تحلیل ہو جانا۔
تحلیل نفس

جاری رہتا ہے، اسی چیز کا نام صوفیوں کے نزدیک تحلیلِ نفس
یا تزکیہِ نفس ہے۔

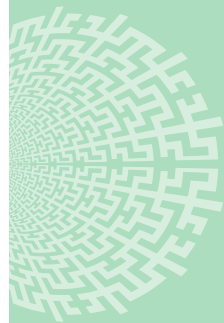


امام سرچشمہ ہدایت ہیں

سورۃ قصص (۲۸) آیت ۲۱ کا ارشاد ہے :-
 وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَتَّبِعُونَ إِلَى السَّائِرِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
 لَا يُنصَّرُونَ۔ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا۔ جو آگ کی طرف
 بلا تے تھے اور قیامت کے دن ان کو کوئی مدد نہ دی جائے
 گی۔

اس فرمانِ الہی سے یہ حکمت ظاہر ہے، کہ فرعون و
 ہامان اور ان جیسے کافر سردار لوگوں کے ایسے پیشوا تھے،
 جو لوگوں کو آتش و ذبح کی طرف بلا تے اور راہنمائی کرتے
 تھے، اس سے صاف طور پر معلوم ہوا، کہ نافرمانی، گمراہی اور
 کافری اگرچہ آسان ہے، لیکن یہ چیز بھی بغیر سردار اور پیشوا
 کے ممکن نہیں، پس فرمانبرداری، ہدایت اور ایمان پیشوا یعنی
 امام کے بغیر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ اگر قانونِ قدرت کے لئے یہ بات
 ضروری ہے، کہ لوگوں کے درمیان کوئی ایسا شخص ہمیشہ موجود
 ہو، جو کہ انہیں راہِ راست سے گمراہ کر کے دوزخ کا راستہ
 بتائے، پھر اس کے مقابلے میں یہ امر زیادہ ضروری ہے، کہ



گمراہی اور کافری بھی
 بغیر سردار کے ممکن
 نہیں۔

دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہمیشہ موجود رہے، جو کہ صراطِ مستقیم پر لوگوں کی راہنمائی کرتے ہوئے انہیں بہشت میں پہنچا سکے، اور ایسا شخص امامِ زمان ہی ہیں۔

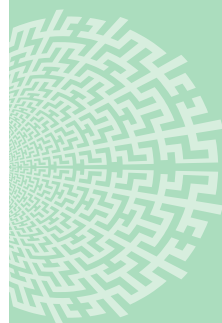
کفر کا سردار

پُر دُگاری عالم جس شخص کو کفر کا سردار بناتا ہے، تو اس کو یوں ہی اور خالی خولی سردار نہیں بناتا بلکہ اسے ظاہری اور مادی قسم کے سامانِ تجمل اور طرح طرح کے مال یا ظاہری علم ہنر و دیدیتا ہے، تب ہی وہ لوگوں کو راہِ حق سے گمراہ کر کے جہنم کے راستے پر چلانے میں کامیاب ہو سکتا ہے، جیسا کہ قولِ قرآن ہے: وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلَّوْا عَنْ سَبِيلِكَ - ﴿۸۸﴾ اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تحقیق تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ تجمل اور مال دیا ہے، دنیوی زندگی میں لے جانے کے لیے تاکہ وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں۔ پس لازمی ہے کہ خداوندِ عالم ایمان کے سردار یعنی امام کو بھی کچھ مال و دولت عطا فرمائے، تاکہ وہ لوگوں کی ہدایت کر سکے، کیونکہ لوگ فطرتاً اس شخص کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، چنانچہ پُر دُگاری عالم نے امامِ برحق کو روحانی مال و ملک سے نوازا ہے، جو علم و حکمت کی صورت میں ہے، جس کے سبب سے عقل و دانش والے امام کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

پُر دُگاری عالم نے امامِ برحق کو روحانی مال و ملک سے نوازا ہے۔

آیہ مذکورہ بالا کی حکمتوں میں یہ بھی ارشاد ہے، کہ قیامت کے دن یعنی دورِ روحانیت میں کفر کے سرداروں کو کوئی مدد نہ دی جائے گی، پھر معلوم ہوا کہ اس حال کے برعکس ایمان کے سرداروں کو مدد دی جائے گی، یعنی فتح و نصرت اور غالبیت ائمہ اطہار اور ان کے تابعین کی ہوگی۔

قیامت کے دن
(دورِ روحانیت) میں
سردارانِ کفر بے یار و
مددگار ہوں گے۔



امام کے صبر اور تیقن کے معنی

سورۃ سجدہ (۲۲) آیت ۲۴ میں ارشاد ہے:-
 وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اِئِمَّةً يَهْتَدُونَ بِاَمْرِ نَا لِمَا صَبَرُوا
 وَكَانُوا بَايَاتِنَا يُوْقِنُونَ۔ اور ہم نے ان میں سے امام
 بنائے جبکہ انہوں نے صبر کیا جو ہمارے امر سے ہدایت کیا
 کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں (یعنی روحانی معجزات)
 کا یقین رکھتے تھے۔

آیات = روحانی
 معجزات

اس آیہ مقدسہ کی وضاحت یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے
 پیغمبروں کی جنس سے امام بنائے، جبکہ انہوں نے ظاہری اور
 باطنی امتحانات میں صبر اختیار کیا، پیغمبروں اور اماموں پر جو ظاہری
 امتحانات آتے ہیں، وہ سب کو معلوم ہیں، مگر ان سے جو باطنی
 امتحانات لئے جاتے ہیں، ان سے بہت کم لوگ واقف
 ہیں، جاننا چاہتے کہ وہ آزمائشیں خالص روحانی قسم کی ہوں گی
 ہیں، جو علم و حکمت اور رشد ہدایت سے بھرپور ہیں، جن کے
 ذریعہ امام کا فرزندِ حورین کے مراتب سے ایک ایک کر کے
 عروج کرتا ہے، تا آنکہ درجہ امامت پر فائز ہو جاتا ہے۔

اس ارشادِ الہی سے یہ بھی واضح ہے کہ امام برحقؑ

باطنی امتحانات = علم و
 حکمت اور رشد ہدایت
 سے بھرپور خالص
 روحانی آزمائشیں۔

اللہ تعالیٰ کے امر سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں جس کا یہ مطلب ہوا کہ امام علیہ السلام جو کچھ ہدایت فرماتے ہیں، وہ دراصل خدا کی طرف سے ہے، اور اس طرح خدا تعالیٰ کا امر و فرمان دنیا میں جاری و ساری ہے۔

امام کی ہدایت خدا کی طرف سے ہے۔

جاننا چاہتے، کہ جو ہدایت خدا کے امر سے ہو، وہی صحیح ہدایت ہوتی ہے، اس میں منزل مقصود کی طرف صحیح رہنمائی، ہر مشکل سوال کا درست جواب اور زمان و مکان کے پیدا کردہ مسائل کے یقینی حل موجود ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان لانے اور ان پر یقین رکھنے میں بڑا فرق ہے، کیونکہ ایمان عام بھی ہے اور خاص بھی، مگر یقین عام نہیں خاص ہی ہے، چنانچہ آیہ مذکورہ بالا کا یہ ارشاد، کہ ائمة طہارین اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا یقین رکھتے ہیں، اس امر کی دلیل ہے، کہ ائمة کرام علیہم السلام پر علم یقین، عین یقین اور حق یقین کی ساری حکمتیں اور حقیقتیں ظاہر اور روشن ہیں، اور خدا کی کوئی نشانی ان سے پوشیدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان لانا، ان پر یقین رکھنے کے برابر نہیں۔

ائمة کرام علیہم السلام پر علم یقین، عین یقین اور حق یقین کی ساری حکمتیں ظاہر ہیں۔

ان تمام باتوں کا تعلق امام شناسی سے ہے، یعنی یہ باتیں ان لوگوں کے لئے مفید ہیں، جو امامت کا عقیدہ رکھتے ہوں اور امام شناسی کی کسی نہ کسی منزل پر پہنچتے ہوں۔

نورِ امامت میں تمام چیزیں محرو ہیں

سورۃ یاسین (۳۶) آیت ۲۷ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ طُورًا كُلِّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ مُبِينٍ**۔ بے شک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال جن کو پیچھے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر (روحانی و علمی) چیز کو امامِ مبین میں گھیر کر رکھا ہے۔ اس فرمانِ الہی کی تاویل یہ ہے، کہ جہالت و نادانی کی موت سے علم و حکمت کی روح میں زندہ ہو جانا اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے امتنع ہو جانا اس وقت ممکن ہے، جبکہ کوئی شخص امامِ مبین کی معرفت تک رسا ہو جائے کیونکہ خداوندِ تبارک و تعالیٰ نے پہلے مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر فرمایا پھر اعمالِ آخرت اور آثارِ دنیا کا، اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ سب کچھ امامِ مبین کی ذاتِ بابرکات میں مجموع ہے، پس معلوم ہوا، کہ امامِ مبین کی معرفت کی روشنی میں ان تمام حقیقتوں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، کہ کس طرح مردہ زندہ ہو سکتا ہے

روح علم و حکمت میں
زندگی، معرفتِ امام
مبین کے بعد ممکن ہے

مشاہدہ حقائق، امامِ مبین
کی معرفت کی روشنی میں

اور اعمالِ آخرت اور آثارِ دنیا سے کیسے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

امام مبین کے معنی ہیں ظاہر امام اور بیان کرنے والا امام یعنی امامِ حجتی و حاضر، جس کے نورِ مقدس نے عقلِ کل اور نفسِ کل کی صورت میں اپنے اندر دونوں جہان کو سموئے رکھا ہے، دونوں جہان میں سب کچھ ہے اور ان سے باہر کچھ بھی نہیں۔

مبین کے معنی ہیں امامِ دو صورتوں میں ظاہر ہیں اور دو صورتوں میں بولنے والا ہیں، وہ دو صورتیں جسمانیت اور نورانیت ہیں، یعنی امامِ عالی مقام بشری لباس میں بھی ظاہر ہیں اور پیکرِ نور میں بھی، وہ حدودِ جسمانی میں بھی بولنے والا ہیں اور درجاتِ روحانی میں بھی۔

امام مبین کے نورِ مقدس نے اپنے اندر دونوں جہانوں کو سموئے رکھا ہے۔

امام دو صورتوں میں ظاہر اور بولنے والے ہیں۔

تورِ امامتِ خدا کی بولنے والی کتاب ہے

سورۃ احناف (۴۶) آیت ۱۲ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ اِمَامًا وَّ رَحْمَةً وَّ هَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانَا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَّ بُشْرٰى لِّلْمُحْسِنِيْنَ۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی (لوگوں کیلئے) رہنما اور رحمت، اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اسی کی تصدیق کہ نبیوالی، تاکہ ظالموں کو ڈر لے اور نیکو کاروں کو خوشخبری سنائے۔

حقیقی مومنین کو جاننا چاہتے، کہ حضرت مولانا امام ہارونؑ کا مقدس و مبارک نور ہی حضرت موسیٰؑ کی اصلی کتاب تھا، چونکہ آسمانی کتاب وحی کی کیفیت میں ایک زندہ نور ہوتی ہے، اور اسی معنی میں موسیٰ کی کتاب لوگوں کے لئے امام اور رحمت تھی، اور امام عالی مقام کی روح مقدس یعنی نور کے کتاب ہونے کا ذکر اس کتابچہ میں اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔

اسماعیلی مذہب کی تاویل کی کتابوں کے مطالعے میں یہ بات بار بار آپ کے سامنے آجائے گی کہ علم تاویل کے

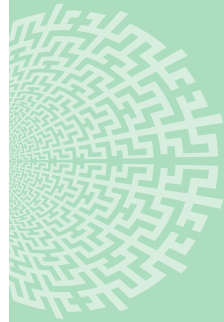
حضرت امام ہارونؑ کا نور
اقدس ہی حضرت موسیٰؑ
کی اصلی کتاب تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی کتاب
لوگوں کے لئے امام اور
رحمت تھی۔

کتاب = امام، اس اس
 اس اس ہی ناطق پیغمبر کی
 نورانی کتاب ہے۔
 کتاب ہوئی = حضرت
 امام ہارونؑ

زبان میں کتاب امام یا اس اس کو کہتے ہیں، چنانچہ ہر ناطق پیغمبر
 کا اس اس کی نورانی کتاب ہے، اس طرح ”کتاب موسیٰ“
 کا مطلب حضرت مولانا امام ہارون علیہ السلام ہیں، جن کے
 نور مبارک کا نام توریت تھا۔

مذکورہ حقیقت کے برعکس اگر ہم اس بات کو مانیں،
 کہ قرآن سے پہلے ظاہری توریت جس حالت میں بھی اپنے
 دور میں تھی، وہ لوگوں کے لئے پیشوا اور رحمت تھی، پھر اس
 کے یہ معنی ہوں گے کہ یہودیوں نے اپنی آسمانی کتاب میں
 جو جو تحریفیں کی تھیں، اس میں خدا کی خوشنودی اور ہدایت
 رحمت تھی، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی
 توریت جس کی آیتوں میں لوگوں نے ہیر پھیر کر دیا ہو، وہ
 لوگوں کے لئے امام اور رحمت نہیں ہو سکتی، نہ ہی قرآن اس
 کی تصدیق کرتا ہے۔



امام شناسی

حصہ دوم



اس حصے میں ان آیات کی وضاحت کی گئی ہے جن میں
لفظ نور کا ذکر آیا ہے۔

صرفِ آغاز

ظاہری کائنات کا نور،
باطنی عالم کے نور کی
مثال ہے۔

جب عوام و خواص کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے،
کہ اس ظاہری کائنات کا نور باطنی عالم کے نور کی مثال کی حیثیت
سے ہے، تو پھر ہمیں یہاں سب سے پہلے ظاہری اور مادی نور کی کچھ
صفات بیان کرنا چاہئے، تاکہ سالکانِ راہِ حقیقت مثال میں غور
و فکر کرنے کے نتیجے پر مثنوی کی شناخت حاصل کر سکیں۔

چنانچہ سب جانتے ہیں، کہ جسمانی نور اس دنیا میں
صرف ایک ہی ہے، اور اس کے سوا روشنی کا کوئی دوسرا ہر چشمہ
حقیقت میں ہے ہی نہیں، ایسا ظاہری اور مادی نور سورج ہے،
اب رہا چاند، ستاروں اور روشنی کے دوسرے تمام ذریعوں
کی روشنیوں کا سوال، سو وہ فی الاصل سورج کی پیداوار ہیں،
اور اس جہان میں کوئی ایسی مادی چیز موجود نہیں ہو سکتی،
جو سورج کی مختلف قوتوں سے پرورش پائے بغیر روشنی یا گرمی کا
کوئی ذریعہ بن سکے، مادی نور یعنی سورج کے اوصاف صرف
یہی نہیں، بلکہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا وہ کارخانہ قدرت
ہے، جس کے عمل تکوین ہی کے ذریعے اس عظیم کائنات میں

ستاروں اور سیاروں کی دنیاؤں کو وجود دیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر دنیا میں مادی طور پر جو کچھ ہے، وہ اسی نور کے وسیلے سے موجود ہوا ہے۔

اسی طرح روحانی نور بھی عالمِ دین اور کون جہت میں ازل سے ایک ہی ہے، جس کے واسطے سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، اور عالمِ روحانیت کی ہر چیز اسی نورِ مطلق کے ذریعے پیدا ہوتی ہے، مثلاً نور ہی سے حق تعالیٰ کا مقدس امر و فرمان صادر ہوتا رہتا ہے، نور ہی سے ربانی رشد و ہدایت دی جاتی ہے، نور ہی کی ایک خاص صورت عقل و دانش اور علم و حکمت ہے، نور ہی کا نام دیدہ دل اور چشم بصیرت ہے، نور ہی میں حضرت رب العزت کے اسرارِ عجائب و غرائب اور رموزِ حقائق و معارفِ پنهان ہیں، نور ہی کرامات و معجزات کا منبع و مخزن ہے، نور ہی روح الارواح اور عقلِ کامل یا کہ عرش و کرسی کہلاتا ہے، نور ہی کو کتابِ منیر اور تاویلِ نورانی کہا جاتا ہے، نور ہی کا ایک دوسرا نام عالمِ علوی اور بہشتِ حقیقی ہے، نور ہی میں ہر چیز موجود اور محدود ہے، اور یہی نورِ مطلق سب کچھ ہے۔

بیانِ مذکورہ بالا سے جب یہ ظاہر ہوا، کہ آفاق میں جسمانی نور کی بادشاہی ہے اور النفس میں روحانی نور کی سلطنت، تو آئیے کہ اب ہم دنیا کے قرآن کے سورج کو دیکھیں، چنانچہ امامِ عالی مقام علیہ الصلوٰت والسلام نے اشارہ فرمایا ہے، کہ قرآنی

روحانی نور ازل سے ایک ہی ہے۔

نورِ عقل و دانش،
علم و حکمت،
چشم بصیرت،
اسرارِ عجائب و غرائبِ الہی،
روح الارواح، عالمِ علوی۔

نور میں ہر چیز موجود و محدود ہے۔

آیہ مصباح = خورشید جہان
حکمت قرآنی

آیہ سراج = ماہتاب عالم
حکمت قرآنی

علم و حکمت کے عالم کا سورج آیہ مصباح، چاند آیہ سراج اور ستارے دوسری آیات نور ہیں، اور اس حقیقت کا جاننا ضروری ہے، کہ یہ تمام آیات نور اپنے رشتہ معنی میں آیہ مصباح کے ساتھ ایسی منسلک ہیں، جیسے ستارے اور چاند روشنی کے سلسلے میں سورج سے وابستہ ہیں، اس حقیقت کی مثال یہ ہے، کہ رات کے وقت جب چمکتا ہوا چاند اور درخشان ستارے نظر آتے ہیں تو اس وقت عام لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ شاید چاند اور ستاروں کی یہ روشنی ان کی اپنی ذات سے ہے، لیکن اہل بصیرت نے معلوم کر لیا ہے، کہ اس کی حقیقت کچھ اور ہے، وہ یہ کہ اگر ہم اسی وقت چاند اور ستاروں کی روشن دنیاؤں میں سے کسی ایک میں پرواز کر جائیں، تو اُس دنیا میں رات نہیں بلکہ دن کا کوئی وقت ہوگا، اور وہاں سے آسمان کی طرف دیکھنے سے آفتاب منیر نظر آئے گا، اس کا مطلب یہ ہوا، کہ چاند اور تمام ستاروں کی روشنی دراصل سورج ہی کی روشنی ہے۔

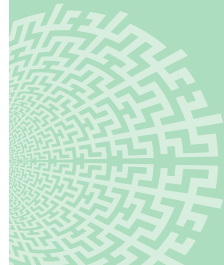
آیات نور کے عام معانی
میں انوارِ کثیرہ کا تصور

بالکل اسی طرح جس وقت ہم آیات نور پر نظر ڈالتے ہیں، تو فوری طور پر ہمیں ان کے عام معانی میں انوارِ کثیرہ کا تصور ہوتا ہے، یعنی ایسا لگتا ہے جیسے کتبِ سماویہ، انبیاءِ کرام، ائمہ معظَّم اور نیرِ گمانِ دینِ حُبِ راجد اور مختلف انوار ہیں، مگر جب غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کے بعد حقیقی مومن کا تصور ان آیات کی معنوی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے، تو وہاں یکا یک شک و گمان کی رات ختم ہو کر یقینِ کامل کا دن نظر آتا ہے، یعنی حصولِ معرفت کے بعد معلوم

ہوتا ہے، کہ دینی چاند اور ستاروں کا نور فی الاصل آیہ مصباح کے سورج ہی کا نور ہے۔

جیسے نور کی ایک آیت میں ہے کہ: **فُوْرُهُمْ**، یعنی مومنین کا نور، تو اس کے ظاہری معنی میں البتہ یہ گمان ہوتا ہے، کہ مومنین کا یہ نور خدا کے نورِ مطلق سے الگ تھلگ کوئی ذاتی نور ہوگا، جس طرح رات کے وقت درخشان ماہتاب اور چمکتے ستاروں کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے، کہ یہ روشنی ان کی اپنی ذات سے مہیا ہوتی رہتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ روشنی کے اس بے پایان سہند کا واحد منبع و مخزن سورج ہی ہے، یہی مثال اس نور کی بھی ہے، جو عالم دین کے چاند اور ستاروں سے منسوب کیا گیا ہے، کہ جب کوئی حقیقی مومن روحانی طور پر اپنے باطن کی روشنی کی بندوں تک رسائی حاصل کر کے مشاہدہ کرتا ہے، تو اس وقت معلوم ہوتا ہے، کہ مومن کا یہ نور اصلاً وہ نورِ مطلق ہے، جس کا ذکر آیہ مصباح میں موجود ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ: **خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات و موجودات کے باطن کے لئے ایک ایسا واحد، ہمہ رس، کافی اور جامع صفات نور ہمیشہ اور ہر جگہ حاضر و موجود ہے، کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نور کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ حقیقتاً اس میں دُونی کی گنجائش ہے۔** متذکرہ بالا مثالوں اور شہادتوں سے یہ حقیقت اور روشن کی طرح عیان و ظاہر ہے، کہ آفاق و انفس اور دنیا سے قرآن میں نور کا درجہ سب سے اعلیٰ، اس کی اہمیت سب سے زیادہ اور اس کی موجودگی

دینی چاند اور ستاروں کا نور فی الاصل نور خورشید آیہ مصباح ہی ہے۔



مومن کا نور اصلاً آیہ مصباح میں ذکر شدہ نورِ مطلق ہی ہے۔

کائنات و موجودات کے باطن کے لئے نورِ جامع صفات

انتہائی ضروری ہے، لہذا یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ ہر عالم میں تو اس کے تقاضاؤں کے مطابق نور موجود و حاضر ہو، اور عالم انسانیت میں نور کا کوئی مستقل وجود نہ ہو، اگر یہ بات ممکن ہوتی، تو رب العالمین کے معنی میں ایک خاص چیز کی کمی یہ رہ جاتی تھی خدا ہر عالم کی پرورش تو کر ہی دیتا ہے۔ مگر دنیا نے انسانیت یا عالم بشریت اور انسانی عقل و روح کی ہدایتی اور علمی پرورش و تربیت اس طرح سے نہیں کرتا، جس طرح کہ کرنا چاہئے، ظاہر ہے کہ یہ امر محال اور خدا کی ہدایت و رحمت کے منافی ہے، پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہمیشہ عالم دین میں حاضر اور موجود ہے، اور وہ امام برحق صلوات اللہ علیہ کے جہانہ بشریت میں موجود اور حاضر ہیں۔

نور ذات باری عالم
دین میں ہمیشہ امام برحق
صلوات اللہ علیہ کے جہانہ
بشریت میں حاضر و موجود
ہے۔

چنانچہ جب یہ بات آئے ہے، کہ امام عالی مقام نور مطلق کے مظہر کا درجہ رکھتے ہیں، تو یہ امر ہمارے لئے لازمی اور ضروری ہوا، کہ آیات نور کی کچھ حقیقتیں بیان کر دی جائیں، تاکہ ان مقدس آیات کے یکجا مطالعہ اور مجموعی حکمت کی روشنی میں امام شناسی کی حقیقتیں ہر مومن کے لئے آسان اور قابل فہم ہو جائیں اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

فقط بندہ احقر

نصیر الدین نصیر ہونزائی

لفظِ نور

اللہ تعالیٰ کی اس عظیم حکمت میں خوب غور و فکر کیجئے، کہ لفظِ نور قرآن حکیم میں کُلّ انچاس دفعہ استعمال ہوا ہے، جبکہ آلِ نبیؐ و اولادِ علیؑ کے پاک سلسلہ امامت میں ہمارے سرکارِ نامدار حضرت مولانا شاہِ کریمِ احمَدینی حاضرِ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انچاسویں امام ہیں، چنانچہ خدا کی حکمت و قدرت میں یہ امر ناممکن نہیں، کہ لفظِ نور کی اس تعداد میں قرآنِ پاک کی یہ پیش گوئی ہو، کہ نورِ امامت کے انچاسویں جامہ کے مبارک زمانے میں باطنی اور ظاہری علم و حکمت سے دین بھی روشن ہو گا اور دنیا بھی، جیسا کہ ظاہر ہے، کہ موجودہ امامِ عالی مقام علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں خاص طور پر ایٹمی دور کا آغاز ہو اور تسخیرِ کائنات کے سلسلے میں انسان نے چاند پر فتح و کامیابی کا پرچم لہرایا۔

جب آیاتِ نور کی اس پیش گوئی سے ہمیں یقین ہوا، کہ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی روشنی کا زمانہ اور نور کا دور دورہ ہے،

قرآن حکیم میں لفظِ نور
کُلّ انچاس دفعہ
استعمال ہوا ہے۔

پس آئیے، کہ ہم حضرت پیر سید ناصر خسرو قدس اللہ سرہ کی حکیمانہ تعلیمات کے مطابق مذکورہ انچاس آیتوں کی کچھ وضاحت کریں، جن میں نمایاں طور پر نور امامت کا ذکر موجود ہے۔

حقیقی نور اور خود ساختہ نور

البقرہ- ۲۔ آیت- ۱۷۰ میں حقیقی نور اور خود ساختہ نور یعنی اصلی ہدایت اور نقلی ہدایت کی جس طرح مثال دی گئی ہے، اس کا واضح مفہوم یہ ہے، کہ رات کی تاریکی میں دو مسافر جدا جدا کسی دور و دراز سفر کے لئے نکل گئے، ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بے مثال معجزانہ ٹارچ ہے، کہ اسے نہ کوئی ہوا بجھا سکتی ہے اور نہ کوئی بارش، دوسرے مسافر کے پاس صرف ماچس کی ایک ڈبیا ہے، اب ٹارچ والا بڑے اطمینان سے منزل مقصود کی طرف چلتا اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں پہنچ جاتا ہے، دوسرا شخص روشنی نہ ہونے کے سبب سے آگے نہیں بڑھ سکتا، وہ تاریکی سے تنگ آ کر بڑی مشقت سے بیابان میں ایک آگ جلاتا ہے، اور چاہتا ہے، کہ اس کی روشنی میں اپنے سفر کی کچھ مسافت طے کرے، مگر ایک ہی جگہ پر ٹھہری ہوئی آگ کی روشنی کہاں تک روشنی دے سکتی ہے، آخر کار وہ آگ بھی بجھ جاتی ہے اور وہ مسافر اندھیری رات میں پٹا رہتا ہے۔

اصلی ہدایت اور
نقلی ہدایت

نورِ امامِ حجتی و حاضر،
خدائے قادر و توانا اور
رسولِ برحقؐ کا ازلی و
ابدی نور ہے۔

اس تمثیل کی تاویل یہ ہے، کہ اہل نجات کے لئے
امامِ حجتی و حاضر کی معرفت اور نور ہی وہ بے مثال محبوبِ ذاتی
ٹاریخ ہے، جس کو مخالفت و دشمنی کی کوئی ہو اور حادثات
زمانہ کی کوئی بارشس ہرگز ہرگز نہیں بچھا سکتی، کیونکہ یہ تقدس و
مبارک نور خدائے قادر و توانا اور اس کے رسولِ برحقؐ کا ازلی
و ابدی نور ہے، جو کہ ہر آسمانی کتاب اور ہر پیغمبر کے ساتھ موجود
تھا، اور آنحضرتؐ کے بعد بھی اسی شان سے ہمیشہ کے لئے موجود و
حاضر ہے، تاکہ اس کی روشنی میں صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل
ہو سکے، اس حقیقی نور کے بغیر حصولِ ہدایت کے لئے جو بھی سعی و
کوشش کی گئی ہے، اس کی مثال آیہ مذکورہ بالا میں زبانِ حکمت
بیان ہوئی ہے۔

نورِ ہدایت اور ظلمتِ گمراہی

البقرہ - ۲ - آیت - ۲۵۷ - میں حضرت احدیتؐ کا جو
ارشاد ہے، اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے، کہ اگر دنیا میں ایک طرف
گمراہی کی ظلمت ہمیشہ سے ہے، تو دوسری طرف ہدایت کا نور بھی
ہمیشہ سے موجود ہے، اگر ایسا نہ ہوتا اور دنیا میں کفر و ضلالت
کے کالے بادل چھائے ہوئے ہوتے اور ایمان و ہدایت کا
کوئی سورج نہ ہوتا، تو وہ قانونِ قدرت کی طرف سے دنیا
والوں پر بہت بڑا ظلم و ستم ہوتا۔

نورِ ہدایت اور ظلمت
گمراہی ہمیشہ سے موجود
ہیں۔

روشن کتاب

آل عمران - ۳ - آیت - ۱۸۴ - میں نور کا تذکرہ "الکتاب المنیر" یعنی روشن کتاب کے عنوان سے کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ حقیقی اور روحانی کتاب رسول اکرمؐ اور امام برحقؑ کے نورِ واحد کی حیثیت میں ہے، جو کتابِ ناطق یعنی خود گوئی کتاب ہے، اس روشن کتاب یعنی انسانِ کامل کے نور کو تاویل یا حکمت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو کتاب وجودین حصہ اول ص ۸۲-۸۳) تاویل کو روشن کتاب اس معنی میں کہا جاتا ہے، کہ وہ روحانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر اور کشف و مشاہدہ کے عالم میں موجودات کے حقائق و معارف کو واضح اور روشن کر کے دکھاتی اور بتاتی جاتی ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ وہی نور جو امامِ عالی صفات کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے قرآنِ پاک کی زندہ اور بولنے والی روح ہے، جس میں قرآنِ حکیم کی عملی تاویل کی ایک جیتی جاگتی وسیع دنیا سموی ہوئی ہے، چنانچہ ہمارے نامور پیریں اور بزرگوں نے امامِ وقتؑ کی بتائی ہوئی عبادت اور ریاضت کے نتیجے پر اپنے دل و دماغ میں اس نور یعنی روشن کتاب کا کافی مشاہدہ اور مکمل تجربہ کر لیا، جس سے انہیں دونوں جہان کی زندہ حقیقتیں معلوم ہوئیں۔

الکتاب المنیر = حقیقی اور
روحانی کتاب = نور
واحد رسول اکرمؐ و امام
برحقؑ

نور امامِ ہی قرآنِ پاک
کی زندہ و گویندہ
روح ہے۔

نورِ مُبِين

النساء-۴- آیت-۱۷۴- میں نورِ مبین کا لفظ آئی ہے جس کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہیں ظاہر نور اور دوسرے معنی ہیں بولنے والا نور، اور اس آیت میں یہ دونوں معنی مناسب و موزون ہیں، جیسے سورۃ زخرف-۲۳- آیت-۱۸- میں مبین کا لفظ بولنے والے کے لئے استعمال ہوا ہے، پس معلوم ہوا کہ امام اطہر علیہ السلام کا پاک نور نہ صرف جسمانی صورت میں ظاہر اور بولنے والا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ روحانی کیفیت میں بھی مجبوزانہ ظہور اور کلام کرتا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ارشادِ باری ہے کہ: اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم تمہارے پاس ایک ظاہر نور نازل کر چکے ہیں۔ پس یہاں مرتبہ نبوت کو دلیل اور منصب امامت کو نورِ مبین کہا گیا ہے، اگر یہاں کوئی شخص یہ کہے کہ دلیل سے قرآن مجید مراد ہے اور نور کا اشارہ رسول اکرم کی طرف ہے، تو اس سے بھی نتیجے کے طور پر پھر وہی حقیقت ثابت ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا نور بجھنے والا نہیں تھا، اس لئے وہ آنحضرت سے سلسلہ امامت میں منتقل ہوا، اور وہ آج بھی امامِ حجتی و حاضر کے جامتہ بشریت میں جلوہ گم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔

نورِ مبین = ظاہر نور،
بولنے والا نور

نورِ پاک امامِ اطہر روحانی
کیفیت میں بھی مجبوزانہ
ظہور اور کلام کرتا ہے۔

نورِ مبین = منصب
امامت

نور اور کتابِ مُبین

المائدہ - ۵ - آیت - ۱۵، ۱۶ - میں پیغمبر اور امام علیہ السلام کو ایک ہی نور قرار دیا ہے، اور قرآن کو ظاہر کتاب کہا گیا ہے، یہاں پر شاید یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کبھی نور کو اور کبھی کتاب کو ظاہر کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ نور اور قرآن دونوں کی صفت یہ ہے کہ وہ ایک پہلو سے ظاہر ہیں اور دوسرے پہلو سے باطن یعنی نور کی شخصیت اور قرآن کی تنزيلی ظاہر ہیں، مگر نور کی روحانیت اور قرآن کی تاویل باطن ہیں، پس جہاں نور کی روشنی میں قرآن کی حکمت دیکھنے کی تعلیم دی گئی ہے وہاں شخصیت کے اعتبار سے نور کو ظاہر کہا گیا ہے اور اس کے برعکس جہاں قرآن کی مدد سے امام کی معرفت حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، وہاں تنزيل کے لحاظ سے کتاب کو ظاہر کہا گیا ہے۔

توریت کا مقصد

المائدہ - ۵ - آیہ - ۴۴ - میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: تحقیق ہم نے توریت نازل کی، اُس میں ہدایت اور نور ہے، انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے، اس کے مطابق یہود کو حکم دیا کرتے تھے، اور (اسی طرح) اہل اللہ اور علماء بھی (حکم دیا کرتے تھے) جن کو اللہ کی کتاب کی حفاظت سپرد کی گئی

نور اور قرآن، دونوں ایک پہلو سے ظاہر اور دوسرے پہلو سے باطن ہیں۔

توریت میں ہدایت اور نور ہے۔

تھی، اور وہ اس کے گواہ تھے۔

مذکورہ بالا آیت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے، کہ تورات کا مقصد و منشا ہدایت اور نور تھا، یعنی توریت سے ایسی ہدایت مقصود تھی، جس سے نورِ معرفت کا راستہ ملے اور امان نامان کی معرفت حاصل ہو۔

توریت = ہدایت جس سے نورِ معرفت کا راستہ ملے۔

نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ خدا کی طرف سے انبیاء اولیاء اور علماء مقرر ہو جانے کا مقصد بھی یہی تھا، کہ وہ لوگوں کو توریت کی ہدایت کے مطابق حکم دیا کریں، تاکہ اس ہدایت پر عمل کرنے کے بعد وہ نور کی معرفت تک رسا ہو جائیں۔

انجیل کا مقصد

المائدہ - ۵ - آیہ - ۴۶ - میں ارشادِ باری ہے کہ : اور ہم نے عیسے کو انجیل دی، جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرنے والی ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

انجیل میں ہدایت اور نور ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ جو موضوع اور مقصد توریت کا تھا، وہی انجیل کا بھی ہے، اور وہ یہ کہ لوگوں کو ایسے قول و عمل کی ہدایت اور تعلیم دی جائے، کہ جس سے وہ نورِ امانت کا مشاہدہ کر کے معرفت حاصل کر سکیں۔

انجیل = ہدایت جس سے نورِ امانت کا مشاہدہ و معرفت حاصل ہو۔

اس آیت کے اخیر میں حق تعالیٰ کا یہ فرمانا، کہ انجیل پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے، اس حقیقت کی

روشن دلیل ہے، کہ انجیل کی ہدایت و نصیحت پر صرف وہی لوگ عمل پیرا ہوتے تھے، جو تمام نفسانی اور دنیاوی اغراض سے اپنے آپ کو بچانے والے تھے، تاکہ ہدایت کے ذریعہ نورِ امامت کا مشاہدہ کر سکیں اور اسے پہچان سکیں، اور ہر آسمانی کتاب کا مقصد منشاء یہی ہے۔

قرآن حکیم کا مقصد

المائدہ- ۵- آیت- ۴۸- میں رب العزت کا فرمان ہے کہ: اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق سے بھر پور ہے، اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے، اور ان کتابوں کی محافظ بھی ہے، تو آپ ان کے درمیان اسی بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق حکم کیجئے۔

قرآن مجید اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کا محافظ ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ قرآن مجید کس طرح اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے؟ اور کس معنی میں ان کا محافظ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اگلی آسمانی کتابوں کا جو مقصد تھا، وہی مقصد قرآن مجید کا بھی ہے، اس لئے قرآن پاک کے بنیادی موضوعات اور اصولی تعلیمات وہی ہیں، جو توریت، انجیل وغیرہ کی تھیں، اسی طرح قرآن پاک نے اگلی سماوی کتابوں کی ایسی عملی تصدیق کی، کہ جس سے بڑھ کر کوئی دوسری تصدیق نہیں ہو سکتی۔

اب یہ بتائیں گے کہ قرآن کس معنی میں اگلی آسمانی

کتابوں کا محافظ ہے، چنانچہ جاننا چاہتے کہ اگلی سماوی کتب میں جو حقائق و معارف بیان کئے گئے تھے، وہ سب کے سب قرآن پاک کے ظاہر و باطن میں محفوظ ہیں، پس ان دونوں باتوں سے کہ قرآن پاک اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور ان کا محفظ بھی ہے، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح توریت اور انجیل کا خصوصی موضوع ہدایت اور نور ہے، اسی طرح قرآن حکیم کا موضوع بھی ہدایت اور نور ہے، چنانچہ سورہ نور - ۲۴ - آیت ۳۵ کے اس فرمان الہی پر ذرا غور و فکر کیجئے جو ارشاد ہوا ہے کہ: حق تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ جسے چاہے قرآن، پیغمبر اور امام زمانہ کے توسط سے (کی یہی مقدس ہستیاں مشیت ایزدی اور ہدایت الہی کے ذرائع ہیں) اپنے مبارک و مقدس نور کی شناخت کرا دیتا ہے، پس معلوم ہوا کہ توریت اور انجیل کی طرح قرآن مجید کا اصلی موضوع اور مقصد اعلیٰ ہدایت اور نور ہے۔

قرآن حکیم کا موضوع
ہدایت اور نور ہے۔

مشیت ایزدی اور
ہدایت الہی کے ذرائع

ظلمت کے مقابلے میں نور

الانعام - ۶ - آیت - ۱ - میں ارشاد ہوا ہے کہ: تمام نعمیں اللہ ہی کے لائق ہیں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اس بنا پر

کی گئی ہے، کہ اُس نے آسمانوں کو اور اُن کے نیچے زمین کو پیدا اور ظلمتوں کو اور ان کے مقابلے میں نور کو مقرر فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالمِ دین کو پیدا کیا، جو اس ظاہری کائنات کی طرح اپنے اندر آسمان، زمین، ظلمت اور نور رکھتا ہے، اور نور کی یہ اہمیت ہے، کہ اگر یہ نہ ہو، تو عالمِ دین نیست و نابود ہو جائے گا، جیسا کہ یہ حقیقت سب جانتے ہیں، کہ اگر اس مادی کائنات کے وسط میں یہ جسمانی سونچ نہ ہو تو یہ جہانِ درہم و برہم ہو کر فنا ہو جائے گا، کیونکہ اس عالم کے قیام و نظام کا انحصار سورج پر ہے، بالکل اسی طرح عالمِ دین کے قرار و ثبات کا دار و مدار نورِ امامت پر ہے جو جہانِ دین کا سونچ ہے۔

نور اور ہدایت

الانعام - ۶ - آیت - ۹۱ - میں فرمایا گیا ہے کہ: اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی (قدرت و توانائی کی) قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا، جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی، آپ کہتے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے، جس کو تم ورق ورق کرتے ہو (یعنی نورانی کیفیت سے مستقل کر کے کاغذی تحریر کی صورت میں لاتے ہو) اور بہت سی باتوں

عالمِ دین کے قرار و ثبات کا دار و مدار جہانِ دین کے سونچ = نورِ امامت پر ہے۔

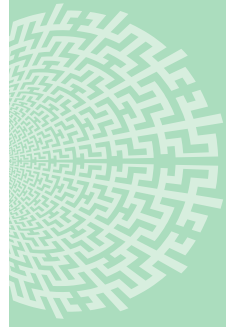
کو چھپاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں آسمانی کتاب کی زندہ روح کے متعلق بہت سی حقیقتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، جن کو سمجھنے کے لئے وحی و الہام کی حقیقت و کیفیت سے آگاہی ضروری و لازمی شرط ہے، چنانچہ وحی و تنزیل ایک علمی نور اور ایک زندہ روح کی صورت میں واقع ہوتی ہے، جس کو روح القدس یا روح الامین کا نزول کہا جاتا ہے، نیز اس عقل و دانش کے نور اور علم و حکمت کی روح کو، جب بے شمار عجائب و غرائب اور کلمات و معجزات سے ملبوس ہے، حقیقی معنوں میں آسمانی کتاب کہا جاتا ہے، اگرچہ پیغمبر کی مبارک زبان اور کاتب کے قلم سے گزر کر کاغذ پر تحریری صورت میں نہیں آئی ہو۔

یاد رہے کہ آسمانی کتاب تحریر میں آنے کے بعد بھی بلا کم و کاست اپنی اصلی صورت و حالت پر پیغمبر اور پھر امام عالی مقام کی عظیم الشان روحانیت میں ہمیشہ کے لئے برجا و قائم رہتی ہے اور یہی کتاب امام علیہ السلام کا زندہ نور اور حقیقی ہدایت کہلاتی ہے۔ جانا چاہئے کہ ہلنی کتاب کا موضوع پہلے نور پھر ہدایت ہے، اور ظاہری کتاب کا مضمون اول ہدایت اور اس کے بعد نور ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ امام کے مقدس نور سے قرآن کے حقائق و معارف کا راستہ مل جاتا ہے، اور قرآن کے علم و حکمت کی ہدایت سے امام کے نور کی معرفت تک رسائی ہو سکتی ہے۔

آسمانی کتاب کی زندہ
روح۔

وحی و تنزیل = نزول
روح القدس



باطنی کتاب اور ظاہری
کتاب کے مضامین

امام کے نور اقدس سے
قرآن کے حقائق
و معارف کا راستہ مل
جاتا ہے۔

نور ملے تو ابدی زندگی ملتی ہے۔

الانعام - ۶ - آیت - ۱۲۲ - میں پُرردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ: ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایسا نور دیا کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ ٹائیکمپوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔ اس آیتِ مقدّسہ کی حکمت یہ ہے، کہ مردہ سے جاہل مراد ہے، زندہ کر دینے کی تاویل ہے علم حقیقت دینا، نور مقرر کر دینے کے معنی ہیں امامِ برحق کی معرفت اور نور کا حصول، اور نور کے ذریعے سے لوگوں میں چلنے پھرنے کا اشارہ ہے ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جانا اور لوگوں کی روحانیت میں داخل ہو جانا وغیرہ۔

رسول کے بعد نور کی پیروی

الاعراف - ۷ - آیت - ۱۵۷ - میں یہ ارشاد ہے کہ: پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو اس (نبی) کے ساتھ بھیجا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اس آیتِ مقدّسہ کی حکمت یہ ہے کہ مومنین رسولِ کریمؐ پر ایمان لانے اور ان کی حمایت و مدد کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں، کیونکہ رسول کی رسالت قرآن

امام برحق کی معرفت
اور نور سے دائمی زندگی
حاصل ہو جاتی ہے۔

ہی کی صورت میں ہے اور اس سے ہرگز جدا نہیں، اب رہا نور کا سوال، جس کی مومنین نے پیروی کی، تو یہ امامت ہی کا نور ہے، کیونکہ اسلامی دور کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں عہد نبوت ہے جس کا زیادہ تر تعلق تنزیلی امور سے ہے، دوسرے حصے میں عصر امامت ہے، جس میں اکثر تاویل اور پیش نظر ہوتے ہیں، پس یہی سبب ہے، کہ مومنین زمانہ تنزیل میں پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں اور زمانہ تاویل میں امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ نیز جانا چاہئے کہ اس آیت کریمہ میں رسول اکرم کی اطاعت کے بعد نور امامت کی پیروی کا جو ذکر ہوا ہے، اس میں یہ پیشگوئی ہے کہ آنحضرت کے بعد غفلت و جہالت کی تاریکی پھیلنے والی ہے۔ جس کو صرف امام اطہر کا نور ہی دور کر سکتا ہے۔

نور الہی کے خلاف ناکام کوشش

التوبہ - ۹ - آیت - ۳۲ - میں ارشادِ الہی ہے کہ: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مومنوں (کی پھونکوں) سے بچادیں اور اللہ تعالیٰ کو سولے اس کے کچھ منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کر دے، اگرچہ کافروں کو برا لگے۔

اس آیت کریمہ کی حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نور الہی کو بچانے کی ناکام کوشش وہ شخص کرتا ہے، جو اس کو نہ پہچانے اور اس سے دشمنی کرے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت کے بعد
ظلمتِ غفلت و جہالت
کو صرف نور امام اطہر
ہی دور کر سکتا ہے۔

نور الہی کو بچانے کی
ناکام کوشش

کی طرح لباس بشریت میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہے، مختصر یہ کہ پیغمبر اور امام علیہما السلام سے مخالفت و دشمنی رکھنے کا سبب سوائے اندھا پن اور جہالت کے کچھ بھی نہیں، کیونکہ دنیا میں کسی لیے کافر کا ہونا ممکن نہیں، کہ وہ اول تو خدا کو مانے اس کے بعد کسی ہستی کے متعلق یہ باور کرے کہ خدا کا نور یہی ہے، اور پھر اس کو بچھا دینے کی کوشش کرے۔

تمام نور

کیا خدا کا نور ازلی وابدی طور پر تمام وکامل نہیں ہے؟

یہاں پر ایک اہم سوال یہ ہے، کہ خداوند تعالیٰ اپنے نور کو کس طرح پورا کرتا ہے؟ کیا اس کا نور ازلی وابدی طور پر تمام وکمال کا درجہ نہیں رکھتا؟ اب اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیشک خدا کا نور ہمیشہ سے تمام وکامل ہے اور فی نفسہ ہرگز نہ گزرتی کوئی کمی نہیں، لیکن عالم دین میں خدا کی مصلحت کے مطابق چند احوال مقرر ہوتے ہیں، ان میں سے ہر دور میں خدا کا مبارک و مقدس نور علم و عمل کے ذریعے سے پاک و حوں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے ساتھ ایک کر لیتا ہے، پس تنویر ارواح کے اعتبار سے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرے گا۔

تنویر ارواح

سورج اوچاند کی نورانی وحدت

سورۃ یونس - ۱۰ - آیت - ۵ - کا یہ پاک ارشاد ہے کہ:
اللہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو نورانی بنایا

اُو اس کی منزلیں مقرر رکھیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔

اس ربّانی فرمان کی تاویل یہ ہے کہ جس طرح سورج اور چاند جسم کے اعتبار سے دو اور روشنی کے لحاظ سے ایک ہیں اسی طرح پیغمبر اور امام جماعت میں دو اور روحانیت میں ایک ہیں، نیز دورِ امامت میں امام اور حجت اعظم (باب) عالم دین کے سورج اور چاند ہیں، جن کی ظاہریت جُدا جُدا اور باطنیت ایک ہے؛ اِس آیہ مقدّسہ کی ایک تاویلی حکمت یہ بھی ہے، کہ جس طرح ظاہری سورج اور چاند سے دنیاوی سالوں، مہینوں، ہفتوں اور دنوں کا حساب و شمار معلوم ہوتا ہے، اسی طرح باطنی سورج اور چاند سے، جو کہ پیغمبر اور امام یا کہ امام اور باب ہیں، دینی اوقات بنتے اور معلوم ہو سکتے ہیں۔

اندھیرے اور نور

سورۃ رعد - ۱۳ - آیت - ۱۶ - میں ارشاد ہوا ہے کہ؛
 آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوا کرتے ہیں؟ یا کیا
 اندھیرے اور نور برابر ہوتے ہیں؟
 یہاں قرآن حکیم اپنی مخصوص تاویلی زبان میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے، کہ جو شخص دین کے حقائق و معارف سے اندھا ہے، وہ اس شخص کا ہم لہہ ہرگز نہیں، جو چشم بصیرت اور دیدِ دل کی نعمت سے نوازا گیا ہے، اور نہ کفر و جہالت کے اندھیرے اور

پیغمبر اور امام کی ظاہریت
 جُدا جُدا اور باطنیت
 ایک ہے۔

باطنی سورج اور چاند
 سے دینی اوقات بنتے
 ہیں۔

انوارِ ایمان و عرفان برابر ہیں۔

دل کی بینائی
و نابینائی

جاننا چاہتے، کہ یہ نابینائی اور بینائی انسان کے دل سے متعلق ہے، جیسا کہ ۲۲ کا ارشاد ہے کہ: پس تحقیق آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں، پس معلوم ہوا کہ روحانی ظلمت و نور کا تعلق بھی دل ہی کی آنکھوں سے ہے نہ کہ سر کی آنکھوں سے۔

روحانی ظلمت و نور کا
تعلق حقیقہً دل سے
ہے۔

کتاب، پیغمبر اور نور

اللہ تعالیٰ کی عادت و سنت یہ ہے کہ وہ جب چاہے آسمانی کتاب اپنے کسی پیغمبر پر نازل فرماتا ہے، تاکہ وہ پیغمبر اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو غفلت و ناشناسی کی تاریکیوں سے نکال کر امام شناسی کے نور کی طرف لے آئے، پھر اس کے بعد حکم خدا اپنے پورے دور میں اس نور یعنی امام کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی طرف راہِ راست کی ہدایت کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم سے فرمایا کہ:

یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لئے اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر زبردست لائقِ حمد اللہ تعالیٰ کے راستے پر لگائیں۔ ۱۳۔

پیغمبر کا کتاب کے ذریعے
نورِ امام شناسی کی طرف
دعوت کرنا اور پھر
بتوسطِ نورِ امامت راہِ
راست کی ہدایت کرنا۔

ہادی اور نور

سورۃ ابراہیم - ۱۴ - آیت - ۵ - کی مقدس تعلیم یہ ہے کہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلا یقیناً

اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے کئی نشانیاں ہیں۔ قرآن پاک کی اس تعلیم میں یہ حکمت پنہان ہے، کہ جب اس دنیا میں ہمیشہ سے ایک طرف کفر و جہالت کا اندھیرا پایا جاتا ہے تو دوسری طرف دائم الوقت ایمان و ایقان کا نور بھی موجود ہے، لیکن لوگوں کی فطرت و عادت ایسی ہے، کہ وہ اپنے آپ اس ظلمت سے نکل کر نور میں داخل نہیں ہو سکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں دیکر پیغمبر یا امام کی حیثیت سے ایک ہادی مقرر فرماتا ہے، تاکہ لوگ اپنے زلزلے کے ہادی کو پہچانیں اور اسکی ہدایت کے مطابق اندھیرے کو چھوڑ کر نور کے راستے پر چل سکیں۔ یہاں پر یہ ضرور پوچھنا چاہئے، کہ حضرت موسیٰؑ کے اس

تذکرہ میں جو نشانیاں بتائی گئی ہیں وہ ہر شخص کے لئے عام کیوں نہیں ہیں؟ اور اس کا سبب کیا ہے کہ یہ نشانیاں صرف صبر و شکر کرنے والوں کے لئے مخصوص ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صبر و شکر کرنے سے دیدہ دل روشن ہو جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے مشاہدے سے اس کا مقصد و نشانہ معلوم ہو سکے، اور اس کے نور یعنی امام زمانہؑ کی معرفت حاصل کر لی جائے، اس کے برعکس جو شخص خود غرضی، نفسانیت، بے صبری

نور ایمان و ایقان اس
دنیا میں دائم الوقت
موجود ہے۔

ہادی زمانہ کی معرفت
اور ہدایت کے بغیر
ظلمت جہالت سے
نجات ممکن نہیں۔

اور ناشکری کا شکار ہو چکا ہو، تو اس کی چشم بصیرت پر پرہ غفلت پڑ جاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو نہیں دیکھ سکتا، جو کتابِ سماوی میں ہیں یا پیغمبر اور امام کے ساتھ ہیں۔

امام زمان کا نور روشن کتاب ہے

سورۃ حج ۲۲ میں پڑے دو گارِ عالم نے فرمایا کہ، اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بائے میں بغیر علم اور بجز ہدایت اور بدون روشن کتاب کے جھگڑتا ہے اپنی روٹ موڑ کر تاکہ اللہ کی راہ سے بہکائے۔

اس تعلیمِ سماوی کی تاویل یہ ہے کہ کوئی شخص داعی، حجت اور امام زمان علیہ السلام کی شناخت و معرفت کے بغیر خدا تعالیٰ کی معرفت کے بائے میں مباضنہ و مناظرہ نہیں کر سکتا، کیونکہ داعی علم، حجت ہدایت اور امام روشن کتاب ہیں، جبکہ داعی علم یقین، حجت عین یقین اور امام حق یقین کے مراتب پر ہیں۔

اس حقیقت کی دلیل یہ ہے کہ داعی علم یقین سے لوگوں کو دعوت کر کے حجت کے حوالے کر دیتا ہے، حجت عین یقین سے انہیں ہدایت کر کے امام کی نورانی معرفت تک پہنچا دیتا ہے اور امام اپنے نور کی روشن کتاب سے اُن پر ظاہری و باطنی موجودات کی تمام حقیقتیں واضح اور روشن کر دیتے ہیں۔

کائنات کا نور

سورۃ نور ۲۴ میں حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

داعی علم، حجت ہدایت اور امام روشن کتاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو وہ چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں ہو وہ قندیل ایسی ہوگی یا وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے وہ زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل (خود بخود) روشن ہو جائے، اگر لے آگ نہ چھوئے وہ نور پر نور ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی حکمت و تاویل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا نور ظاہری و باطنی طور پر علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں موجود ہے، جو امامِ حقیق و حاضر کے مبارک وجود سے طلوع ہو کر حد دروجانی کے آسمانوں اور حد درجہ جہانی کی زمینوں کو متور کر رہا ہے، یہ نور خانہ حکمت (یعنی نبوت یا امامت کے گھر) سے تعلق رکھتا ہے، جس کے خاص افراد اہل بیت کہلاتے ہیں، جو اس نور کیلئے طاق (یعنی چراغ دان) کا درجہ رکھتے ہیں، آنحضرتؐ کی خاندانی اصالت اور علمی مرتبت قندیل کی مثال پر ہے، جو ایک درختخانہ ستارے کی طرح ہے، جس کے اندر امامِ اطہر کی جہانیت گویا اس معجزانہ چراغ کا طرف ہے، امام علیہ السلام کی روحانیت کو زیتون کے تیل سے تشبیہ دی گئی ہے، درخت زیتون کا مطلب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ کا پاک خاندان ہے، اس چراغ کے تیل میں نفسِ کل اور عقلِ کل یعنی امام کی مقدس روح اور بہ رس عقلِ تہی اور شعلے کی طرح ہیں، آگ کے معنی ہیں معجزانہ ناسی اور

نور الہی علم و حکمت اور
رشد و ہدایت کی صورت
میں ہے۔

اہل بیت، نور کے لئے
طاق (چراغ دان) ہیں۔

نور پر نور کا مطلب ہے ایک امام کے بعد دوسرا امام ہونا۔
 چنانچہ امام اطہرؑ کی ہمہ گیر عقل کے شعلے سے جو ہدایت
 کی روشنی نکلتی رہتی ہے، وہ حد درجہ روحانی و جسمانی کے توسط
 سے کائنات و موجودات کے ظاہر باطن میں پھیل جاتی ہے،
 تاکہ اس سے آسمان، زمین، عناصر، جمادات، نباتات، حیوانات
 اور انسان کی ہستی بقا کا راستہ بنے۔ اور موجودات و مخلوقات میں
 سے ہر ایک اپنی صلاحیت و قابلیت کے مطابق یہ ہدایت حاصل کر سکے۔

ان حقائق کے مختصر دلائل

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو آسمانوں اور زمین کا
 نور یا کہ روشنی قرار دیدیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جل شانہ
 اس کائنات کی بلندی و پستی کی کئی ہدایت کی روشنی ہے، یعنی
 خدا تعالیٰ کے نور نے آسمان و زمین اور ہر چیز کو نئیستی کے پیر
 سے نکال کر ہستی کی روشنی میں لایا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ آسمانوں
 سیاروں اور عناصر میں جیسی بھی حرکت پائی جاتی ہے، یا جو چیز جس
 طرح سے ٹھہری ہوئی ہے، اس کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے
 نور کی رہنمائی ہے، نیز اس کائنات کی تمام کونینی، تخلیقی اور حقیقی
 قوتوں میں نور کی ہدایت کار فرما ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس کائناتی نور کے معنی یہ بھی ہیں کہ،
 اس نور کی معرفت کی روشنی میں اسرار کائنات کا ظاہر و باطن
 مشاہدہ و مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور روحانی یا جسمانی طور پر کائنات
 کو مخر کیا جاسکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کا نور عقل و دانش، علم و

اللہ تعالیٰ اس کائنات
 کی بلندی و پستی کی کئی
 ہدایت کی روشنی ہے۔

اسرار کائنات کا
 مشاہدہ و مطالعہ

تسخیر کائنات

حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں ہے، نہ کہ کسی مادّی روشنی کی کیفیت میں۔

جب خدا کے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں کہ آسمانوں کے علاوہ زمین بھی خدا کے نور کی روشنی میں مستغرق رہے، جن میں زمین پر رہنے والے ہر قسم کے جانور اور بُرے بھلے انسان سب شامل ہیں، پھر اس میں کیا شک ہو سکتا ہے، کہ اس کے نور کا مرکز امام اقدس کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نور کا دیدار اور معرفت ناممکن ہوتی، تو وہ اپنے نور کی مثال کسی ایسی چیز سے نہیں دیتا جو دنیا میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہے، جب اُس نے اپنے نور کی مثال ظاہر ہی چراغ سے دی ہے تو ثابت ہوا، کہ نورانی دیدار اور اس کی معرفت ممکن میں سے ہیں، اور یہ صرف امام اقدس ہی کے وسیلہ سے ممکن ہے۔

اگر خدا کا نور ظاہر و باطن میں قریبی مشاہدہ سے برتر اور نارسا ہوتا، تو عدل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ خدا اپنے نور کو سورج سے تشبیہ دے، مگر اس نے ایسا نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے تو اپنے نور کی تشبیہ گھر کے چراغ سے دی ہے، تو معلوم ہوا، کہ اس کا پاک نور انسانوں کے درمیان ہے جو انسانِ کامل یعنی امامِ حجتی و حاضر علیہ السلام کے جامعہ بشریت میں ہے۔

اگر خدا کا نور جہانیت کا جامعہ کبھی نہیں بدلتا اور سورج کی طرح ظاہر میں ایک حال پر رہتا، تو پھر اُس صورت میں اس

نورِ الہی، عقل و دانش، علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں ہے۔

مرکز نورِ الہی امام اقدس کی ذات میں موجود ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے نور کا دیدار اور معرفت ممکن ہے؟

خدا نے اپنے نور کی تشبیہ چراغِ خانہ سے کیوں دی؟

کی مثال سونج سے دی جاتی، اور چراغ سے نہیں دی جاتی۔

جس طرح اس کائنات کے لئے ایک سونج ہے، اود گھر کے لئے کوئی چراغ ہوتا ہے، اسی طرح دنیا نے انسانیت کی تاریکی دور کرنے کے لئے انسانِ کامل یعنی امام زمان موجود ہے۔

اگر عقل و دانش کی نظر میں جہالت ایت م کی ظلمت و تاریکی اور علم و حکمت اس کے مقابلے میں نور ہے تو لازماً یہ بھی درست اور صحیح ہے کہ علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا یہ نور بدرجہ اتم انسانِ کامل میں موجود ہے۔

اگر دنیا ایک عالم ہے تو دین بھی ایک عالم ہے اور اگر دنیاوی سونج مادی قسم کا ہے کہ اس میں عقل و روح نہیں، تو عالم دین کا نور عقل و روح رکھتا ہے اور وہ امام ہی ہے۔

یہ حقیقت تقریباً سب کے نزدیک آلمہ ہے، کہ انسان انفرادی طور پر ایک چھوٹی سی دنیا ہے، اور اس میں روشنی کا ایک چھوٹا سا نمونہ بھی ہے، جو عقلِ حبزوی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ سلعے انسان بھی اجتماعی صورت میں ایک عظیم دنیا ہیں، اور اس میں ایک عظیم الشان نور بھی ہے جسے انسانِ کامل یا کہ امام زمان کہا جاتا ہے۔

جب انسان نظریں جا کر چمکتے ہوئے سونج کو دیکھنے لگتا ہے، تو فوراً روشنی کے ذرات کی تیز بارش کی زد سے اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، بالکل اسی طرح جو شخص امامِ عالی مقام کی ذات و صفات پر تبصر و تنقید کی نظر ڈالنے والا چشمِ عقل سے نابینا ہو جاتا ہے۔

انسانِ کامل (امام زمان)
دنیا نے انسانیت کی
تاریکی دور کرنے کیلئے
موجود ہے۔

عالم دین کا نور دنیاوی
سونج کے برعکس عقل
و روح رکھتا ہے۔

امام عالی مقام کی ذات و
صفات پر تبصر و تنقید کی
نظر ڈالنے والا چشمِ عقل سے
نابینا ہو جاتا ہے۔

کی شخصیت سے طرح طرح کے خیالات پیدا ہو کر وہ عقل کی آنکھ سے اندھا ہو جاتا ہے۔

اگر انسان سورج کو براہ راست دیکھنے کی بجائے علم و حکمت اور ظاہری سائنس کی نظر سے دیکھے تو وہ سورج کے متعلق بہت سی حقیقتیں سمجھ سکتا ہے، اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح جو آدمی امام علیؑ کو ظاہری نگاہ سے دیکھنے کی بجائے علم و معرفت کی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش میں ہو، تو اس کی بہت بڑی سعادت مندی ہے۔

نورِ علیٰ نور

اگر ہم یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ امام کا نور ازل سے جائزہ بشریت میں اسی طرح موجود ہے جس طرح اس وقت ہے تو نورِ علیٰ نور کا مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا، کیونکہ نورِ علیٰ نور میں ایک ایسا تصور ہے، جیسے ایک نور پہلے ہی سے موجود ہو اور دوسرا نور اس کے بعد وجود میں آئے، پھر یہ دونوں نور باہم مل کر ایک ہو جائیں، اور یہ ایک حقیقت ہے۔ پس معلوم ہوا، کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام ہونے کا یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلے آیا ہے، اور یہ ایک ایسی جامع حقیقت ہے، کہ جس میں تمام حقیقتیں سموتی ہوتی ہیں۔ جب نورِ علیٰ نور کے تصور سے یہ معلوم ہوا، کہ نورِ بظاہر ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، مگر انکی اصلیت و حقیقت ہمیشہ سے ایک ہی رہتی ہے، جیسے سورج کے علاوہ چاند اور تمام

امام کا نور ازل سے جائزہ بشریت میں موجود ہے۔

انوار کا مقام وحدت

سنا ہے بھی مادہ ہی قسم کے نور ہیں، مگر یہ تمام انوار مقام وحدت پر یعنی سوچ کی ذات میں ایک ہیں اور ان کا آخری مقصد بھی ایک ہے۔

انوار الہی کی وحدانیت اور ارواحِ مؤمنین کی یگانگت کی ایک مثال

علاوہ برآں نور کی یگانگت و یک رنگی اور وحدت کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ جب ہم کسی مکان میں مختلف رنگ کے چند بلب روشن کرتے ہیں، تو ان سب کی روشنی اور رنگت ایک ہی جاتی ہے، یہ مثال ایک طرف سے انوار الہی کی وحدانیت کی ہے، اور دوسری طرف سے ارواحِ مؤمنین کی یگانگت کی۔

نورِ علیٰ نور کی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ سب سے پہلے امام کا مبارک و مقدس جسم بنتا ہے، جو ظاہری اور جہانی ہدایت کا نور ہے، اور وہ اس معنی میں نور ہے کہ ظاہری اور بنیادی ہدایت کی روشنی امام کے مبارک جسم کی ہدایت ہے، پھر اس پر امام کی رُوحِ ناطقہ کا نور ہے، اس پر نفسِ کلّی کا نور ہے اور اس پر عقلِ کلّی کا نور قائم ہے، یہ ہوئے نور پر نور ہونے کے معنی۔

نور اور اللہ تعالیٰ کی مرضی

اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشأ کے بغیر اس کے نور کی شناخت و پیروی نہیں ہو سکتی۔

سورۃ نور ۲۴ کی ربّانی تعلیم ہے، کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ پر لگا دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشأ کے بغیر کوئی انسان اس کے نور کی شناخت اور پیروی نہیں کر سکتا۔

یہاں ایک طرف سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور

دنیا میں ہمیشہ موجود ہے اور دوسری طرف سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہدایت کے مرحلے دو ہیں، پہلے مرحلے پر خدا کی ہدایت ہے، جس کی پیروی کرنے سے خدا کا نور مل جاتا ہے، دوسرے مرحلے پر خدا کے نور کی ہدایت ہے، جس پر چلنے سے سلامتی اور ابدی نجات مل جاتی ہے۔

جس کے لئے خدا نور مقرر نہ کرے اس کے لئے کوئی نور نہیں

مذکورہ بالا سورہ کی آیت ۴۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ: اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نور قرار نہ دے اس کے لئے تو کوئی نور ہی نہیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور مقرر کر دینا اس طرح سے ہے، کہ وہ رسول اکرم صلعم سے فرماتا ہے اور آنحضرت جن لوگوں کے لئے اللہ کی مرضی ہو نور مقرر کر کے دیتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ منکبین ایسے نہیں کہ ان کے اعمال نہ ہوں، اعمال تو ہیں مگر بے فائدہ، کیونکہ حقائق ان سے پوشیدہ ہیں اس لئے کہ خداوند عالم نے ان کے لئے نور مقرر نہیں فرمایا ہے، پس ان کے اعمال کی مثال ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کی طرح ہے، جس کو پیاسا آدمی دور سے پانی خیال کرتا ہے مگر جب وہ قریب آ کر دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں ریت ہی ریت ہے، یا ان کے اعمال کی مثال گہرے سمندر کے اندھیروں کی طرح ہے، کہ اس

ہدایت کے دو مراحل، خدا کی ہدایت اور خدا کے نور کی ہدایت۔

رسول اکرم لوگوں کیلئے نور مقرر کرتے ہیں۔

منکبین کے اعمال نور مقرر نہ ہونے کی وجہ سے بے فائدہ ہیں

کو بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو جس کے اوپر دوسری لہر اور اس کے اوپر بادل ہیں غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں، کہ اگر ایسی حالت میں کوئی انسان ہاتھ نکالے تو اسے دیکھنے کا احتمال بھی نہیں۔

عالم دین کے سُوج اور چاند

سورۃ فرقان (۲۵) کی آیت ۶۱ کی ہدایت یہ ہے: بہت برکت والا ہے جس نے آسمان میں بروج بنائے اور اس میں ایک چراغ یعنی سُوج اور نورانی چاند بنایا۔

جاننا چاہئے کہ حقیقی برکت دنیاوی چیزوں میں نہیں بلکہ دینی چیزوں میں ہے، پس اللہ تعالیٰ بہت برکت والا اس معنی میں ہے، کہ اُس نے عالم دین بنایا، جس کے آسمانِ بروجات کے بارہ بروج بنائے یعنی بارہ حجت، اور اس میں سُوج اور چاند بنایا یعنی پیغمبر اور امامِ دورِ نبوت میں، اور امامِ وحجتِ اعظمِ دورِ امامت میں۔

بروج اگرچہ بارہ ہیں لیکن شب و روز کے دو حصوں کے حساب سے وہی بارہ کے چوبیس ہوتے ہیں اور منزلوں کے حساب سے اٹھائیس ہوتے ہیں، اسی طرح امام علیہ السلام کے حجتانِ جزائز بارہ ہیں، حجتانِ لیلی و حجتانِ نہاری چوبیس اور حجتانِ مقرب کے ساتھ اٹھائیس ہوتے ہیں۔

حقیقی برکت دینی چیزوں میں ہے۔

بارہ بروج = بارہ حجتان

سُوج و چاند = پیغمبر و امام
امام و حجتِ اعظم

کتابِ مُنیر

قرآن حکیم کی سورت ۳۱- آیت ۲۰ میں ارشاد ہے:
 اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ وہ اللہ کے بارے
 میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر کتابِ مُنیر کے جدل کرتا ہے۔
 یہاں علم سے مراد دَورِ نبوت میں حجت، ہدایت کا
 مطلب امام اور روشن کتاب کے معنی آنحضرت صلعم ہیں، اور
 دَورِ امامت میں علم داعی، ہدایت حجت اور روشن کتاب امام علیہ السلام
 ہیں، جبکہ تاویلی درجات اور حُدُودِ دین زمان و مکان کے تقاضوں
 کے مطابق ہیں۔

نیز اسی طرح جاننا چاہیے کہ دَورِ امامت میں داعی علم
 الیقین ہے، حجت عین الیقین اور امام زمان علیہ السلام حق الیقین،
 پس ان حُدُودِ دین کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ صفات اور اس
 کی معرفت و توحید کے بارے میں مباحثہ و مجادلہ کرنا باعثِ
 گمراہی ہے۔

داعی، حجت اور امام
 زمان کے بغیر اللہ تعالیٰ
 کے بارے میں مباحثہ
 و مجادلہ کرنا باعثِ گمراہی
 ہے۔

ظلمات سے نور تک

سورۃ احزاب یعنی ۳۳ ویں سورت کی آیات ۴۱، ۴۲، ۴۳
 اور ۴۴ میں ارشاد کیا گیا ہے کہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب
 کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو
 وہی بے جوتم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر

رحمت بھیجتے ہیں، تاکہ خدائے کو تائیدیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آوے، اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے، وہ (مومنین) جس رُز اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو ان کی دعا سلامتی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہت بزرگ احب تیار کر رکھا ہے۔

نور کی حقیقی پہچان
ایمان کامل کے بغیر
ناممکن ہے۔

آیاتِ مذکورہ بالا کی مجموعی حکمت یہ بتاتی ہے، کہ نور کی حقیقی پہچان اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک انسان کا ایمان جیسا کہ چاہے مکمل نہ ہو، اور کامل ایمان کی نشانی یہ ہے کہ مومن سببی، زبانی اور عملی طور پر خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہے یہاں تک کہ وہ دائم الذکر ہو جاتا ہے، بصورتیکہ یہ ذکر روحانی مسرتوں سے بھر پور ہوتا ہے، اور وہ صبح و شام زبان حال اور زبانِ قسال سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے یعنی اس کا طہا ہو باطن اور گفتار و کردار سب پاک ہوتا ہے جبکہ وہ صبح و شام خدا کے حضور میں گریہ و زاری اور عجز و انکساری کرتے ہوئے اپنے نفس کا تذکرہ کرتا ہے، پھر نتیجے کے طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے لیے خاص بندوں پر رحمت فرماتے ہیں جس سے رفتہ رفتہ ان کی ذات سے غفلت، جہالت اور معصیت کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں، اور نبی و علی (صلوات اللہ علیہما) کا نورِ واحد اپنے علمی و عرفانی عجائبات و معجزات کے ساتھ انکے دل و دماغ میں جلوہ گر ہونے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت صرف حقیقی مومنین ہی کے لئے مخصوص ہے، جس رُز کسی حقیقی مومن

کامل ایمان کی نشانی
مومن کا دائم الذکر ہو
جانا ہے۔

خداوند تعالیٰ کے
نورِ مقدس کا روحانی
دیدار

کو خداوند تبارک و تعالیٰ کے اس نورِ مقدس کا روحانی دیدار حاصل
ہوتا ہے، اس وقت مومن زبانِ حال سے اپنی سلامتی کی دُعا
کرتا ہے، کہ وہ ابدی طور پر زندہ اور سلامت رہے جسے اللہ
تعالیٰ منظور فرماتا ہے۔ بتوفیقِ الہی مذکورہ بالا آیات کا تاویلِ خلاصہ
بتایا گیا۔

روشن چراغ

سورۃ احزاب کی آیت ۴۵ اور ۴۶ کا فرمانِ الہی یہ
ہے کہ: اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری دینے
والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے
والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

ان دونوں مقدس آیتوں کی حکمت سے یہ حقیقت ظہر
پہے کہ یہاں حضورِ اکرم صلعم کی بعض دائمی اور زندہ صفات بیان کی
گئی ہیں، جن کی دلیل سے آنحضرتؐ کی دوسری تمام صفات بھی
زندہ اور پائندہ ثابت ہو جاتی ہیں، مثلاً جب مانا گیا کہ آنحضرتؐ اپنی
تمام اُمت کے اعمال پر گواہ ہیں، جبکہ گواہ کا مطلب یہی معاملے کے
سامنے حاضر و موجود ہونا ہے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرتؐ کی یہ
صفت ہمیشہ کے لئے زندہ اور باقی ہے اور لازماً آپ کی دوسری
بہت سی صفات بھی اسی طرح لازوال ہیں۔

نیز خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے کو بھی
بندوں کے اعمال کے سامنے حاضر و موجود رہنا چاہئے، تاکہ

آنحضرتؐ اپنی تمام اُمت
کے اعمال پر گواہ ہیں۔

نکو کاروں کو خوشخبری دے اور بدکاروں کو ڈرائے، اسی طرح نبی اکرم صلعم کی ایک اور زندہ صفت یہ بھی ہے کہ آپ اب بھی اسی طرح خدا کے حکم سے زمانے کے مطابق راہِ حق کی طرف دعوت کرتے ہیں جس طرح عہدِ نبوت میں اس وقت کے مطابق دعوت کرتے تھے، اس کے معنی یہ ہونے کہ حضورؐ کی دعوت ہمیشہ سے وحیِ الہی کی تابع ہوا کرتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ صرف یہی نکلتا ہے، کہ پیغمبر صلعم کا مقدس نور امام زمان کی بشریت میں جی و حاضر ہے۔

پیغمبر صلعم کا مقدس نور
امام زمان کی بشریت
میں جی و حاضر ہے۔

یہی مثال روشن چراغ کی بھی ہے، کہ خدا کے نور کے اس پاک چراغ کو مہر نہ نہیں بچنا چاہتے اور اس کی صفت میں کوئی کمی اور کوئی زوال نہیں آنا چاہتے، چنانچہ قرآن حکیم میں جبکہ جگہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ خدا کا نور ایک لازوال حقیقت ہے، پس یہ تمام زندہ اور دائمی صفات آنحضرت کی رحلت کے بعد صرف آپ کے نور کی حیثیت میں باقی و برقرار ہیں، اور آپ کا یہ مقدس نور حضرت مولانا علی و آل علی کے سلسلہ امامت میں ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔

خدا کا نور ایک لازوال
حقیقت ہے۔

سراجِ منیر (روشن چراغ) قرآن حکیم میں نورِ نبوت و امامت کا ایک ایسا پر حکمت اور جامع اسم بزرگ ہے، کہ اسکی حقیقت و معنویت میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے صفات کی قدرت و نظہریت سمونی ہوئی ہے، اس حقیقت کے ثبوت میں صرف اتنا کہنا کافی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسی نورِ جامع صفات کے

اعتبار سے، جو انسان کامل کے چراغ ہستی سے طلوع ہو کر عالم دین اور دنیا کے دل کو منور کر رہا ہے، آیہ نور میں فرماتا ہے کہ:

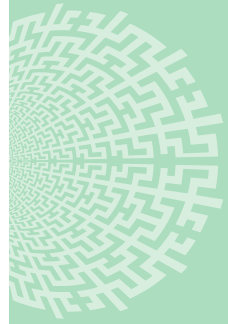
”خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو، اگر چہ حتی سجا و تعالیٰ کی ذات بیچون کے اعتبار سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مثل نہیں ہو سکتی ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد کیا گیا ہے کہ: ”کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے“ ۴۲

ظلمتِ جہالت اور نورِ معرفت

سورۃ فاطر (۳۵) کی ۱۹ تا ۲۲ آیات میں ارشادِ باری ہے کہ: اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور روشنی، اور نہ سایہ اور دھوپ، اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے سوادیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

ان آیاتِ مقدسہ میں ایک طرف صحیح عقیدے کے اور دوسری طرف غلط نظریے کے نتائج کا تقابلی تذکرہ ہے، اور زبانِ حکمت میں فرمایا گیا ہے کہ غلط نظریہ کور دلی اور نادانی کا باعث بن جاتا ہے اور صحیح عقیدہ بصیرت و دانشمندی کا سبب ہوتا ہے، کور دلی یعنی دل کی نابینائی کا نتیجہ جہالت کی صورت میں نکلتا ہے اور قلبی بصیرت کا ما حاصل نورِ معرفت ہے، نورِ معرفت کے نتیجے میں رشد و ہدایت کا سایہ راحت حاصل ہوتا ہے اور جہالت کی

نورِ الہی انسانِ کامل کے چراغِ ہستی سے طلوع ہو کر عالم دین کو منور کرتا ہے۔



غلط نظریہ کور دلی اور نادانی کا باعث اور صحیح عقیدہ بصیرت و دانشمندی کا سبب ہوتا ہے۔

تاریکی میں آوارہ گردی کے بعد گمراہی کا پتہ بتایا جان سکتا ہے،
 نو معرفت اور رشدِ ہدایت کے سایہ دلے روحانی طور پر زندہ جاوید
 ہو جاتے ہیں اور ضلالت کے سوزندہ ریگستان دلے انسانی طور
 پر ہلاک ہو جاتے ہیں، یہ جو سایہ رحمت و ہدایت الہی میں روحانی طور
 پر زندہ ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں سن سکتے ہیں
 اور جو لوگ بیابانِ گمراہی میں ہلاک ہو گئے وہ نیستی و معدومیت کی
 قبروں میں دفن ہوئے ہیں انہیں علم و حکمت کی باتیں سنوائی نہیں
 جاسکتی ہیں۔

انبیاء کے معجزات، کتب اور تاویل

مذکورہ سورہ کی پچیسویں آیت میں ارشاد کیا گیا ہے: اور
 اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گئے ہیں
 انہوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزات
 اور کتب اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔

قرآن حکیم کی اس مقدس تعلیم سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام
 کے ساتھ تین قسم کی عظیم الشان چیزیں ہوا کرتی ہیں، وہ ہیں
 معجزات، کتابیں اور کتابِ منیر، لیکن اس باب میں یہ ایک اہم
 سوال پیدا ہوتا ہے، کہ پیغمبروں کے معجزات اور کتابوں کے علاوہ
 کتابِ منیر (روشن کتاب) کونسی ہے یا کیا چیز ہوتی ہے؟ کیونکہ
 آیت کریمہ کے عربی الفاظ کے لحاظ سے بینات کے معنی ہیں معجزات،
 زُبُر زبور کی جمع ہے جن کا مطلب ہے کتابیں اور کتابِ منیر کا ترجمہ ہے

انبیاء علیہم السلام
 معجزات، کتب اور
 کتابِ منیر کے ساتھ
 آتے ہیں۔

روشن کتاب۔

چنانچہ سوال تھا کہ روشن کتاب کونسی ہے؟ نیز یہ بھی سوال ہو سکتا ہے، کہ آیا وہ روشن کتاب اب بھی ہے یا نہیں، جبکہ آنحضرتؐ سے قبل کے جملہ پیغمبروں کے ساتھ ہمیشہ سے موجود تھی؟ ان سوالات کا سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ روشن کتاب نورِ امامت کا نام ہے اور وہ پیغمبرِ آخر زمان کے ساتھ بھی تھا اور اب بھی موجود ہے، اور یہی نورِ تمام پیغمبروں کے آسمانی کتب کی عملی تاویل و حکمتِ بالغہ کی حیثیت سے ہے، کیونکہ نورِ امامت ہی وہ نور ہے جس میں روحانیت کے جملہ اسرار اور تاویلات کے جملہ روشن حقائق و معارف موجود ہیں۔

کتابِ منیر (روشن کتاب)
= نورِ امامت

نورِ امامت ہی میں مجملہ
اسرارِ روحانیت موجود
ہیں۔

شرحِ حصہ

سورۃ نمر کی بائیسویں آیت کا ارشاد ہے کہ: پس جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (کیا وہ شخص اور اہلِ قساوت برابر ہیں) پس جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے تو ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

یہ پاک آیت سب سے پہلے انسانِ کامل یعنی پیغمبرِ آخر زمان اور امامِ برحق علیہما السلام کی شان میں ہے، ان کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے حُرِّ دین کے بارے میں بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ وسعتِ قلبی، اسلام یعنی اطاعت اور خدا کا

نور انسانِ کامل کے وسیلہ اور توسط سے حدودِ دین کو بھی علی
قدیر مراتب حاصل ہوتا ہے، اور انسانِ کامل کی ذاتِ اقدس میں یہ
صفات اور دوسری تمام خوبیاں ہمیشہ کے لئے بدرجہ اتم موجود
ہوتی ہیں۔

اس آیتِ مقدسہ کی حکیمانہ تعلیم شرح صد لعلی وسعتِ
قلبی کے ذکر سے شروع ہو جاتی ہے، اور فرمایا جاتا ہے، کہ
اسلام کو کا محققہ بقول نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ
کسی انسان کو وسعتِ قلبی عطا نہ فرمائے، نیز لفظِ اسلام کے
دوسرے معنوی پہلو کے اعتبار سے ارشاد ہے، کہ اگر خدا کی
طرف سے کسی کو کشادہ دلی عنایت نہ ہوئی تو اس شخص سے اطاعت
و فرمانبرداری نہیں ہو سکتی، کیونکہ اسلام کے معنی اطاعت و
فرمانبرداری کے ہیں، پھر اس کے بعد فرمان ہے کہ جب خدا نے
کسی آدمی کے دل کو کھول دیا تو وہی حقیقی اسلام یا کہ فرمانبرداری
بجلا سکتا ہے، جب اس نے ہادیِ برحق کی فرمانبرداری کر لی،
تو اس کے دل و دماغ میں بتدوینِ جہاد کا نور جلوہ گر ہونے لگتا ہے،
اور ذکرِ الہی خود بخود جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے
قلب میں رقت و نرمی پیدا ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ
تعالیٰ کی معجزانہ صوتی ہدایات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کے برعکس، جس میں حقائق و معارف
کے زندہ معجزات موجود ہیں، جن لوگوں کے دل بینگت و تاریک
ہوں، وہ حقیقی اسلام قبول نہیں کر سکتے، جس کے سبب سے

جسے خدا کی طرف سے
کشادہ دلی عنایت نہ
ہوئی تو اس سے
اطاعت و فرمانبرداری
نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی معجزانہ
صوتی ہدایت

تساوتِ قلبی کا نتیجہ
گمراہی اور ضلالت ہے۔

ان کے دل خدا کے نور کے قابل نہیں ہو سکتے، نہ ہی وہ خدا کے ذکر کو جاری رکھ سکتے ہیں، پھر وہ تساوتِ قلبی کے روحانی مرض میں مبتلا ہو کر گمراہی اور ضلالت کے بیابان میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔

زمین اپنے پُرردگار کے نور سے روشن ہو جائیگی

سورۃ متذکرۃ بالا میں پُرردگار عالم کے نورِ مقدس یعنی نورِ امامت کے مختلف ظہورات کے بارے میں بطور پیش گوئی اِشاد ہوا ہے: اور زمین اپنے پُرردگار کے نور سے روشن ہو جائیگی اور اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا اور پیغمبروں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور ان (یعنی لوگوں) کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا ۲۹۔

اس آیتِ مقدسہ میں نزولِ قرآن کے دوران نورِ امامت اور روحانی واقعات کے بارے میں جو پیش گوئی کی گئی ہے اس کا تعلق چار حالات سے ہے، انفرادی روحانیت، اجتماعی روحانیت یا کہ روحانی دور، انفرادی قیامت اور اجتماعی قیامت۔

حقیقی مومن کی انفرادی روحانیت میں نورِ امامت سے جو فیضان حاصل ہوتا ہے، اس کے متعلق اس آیتِ کریمہ کی پیش گوئی اس طرح سے ہے کہ پیغمبر کی تنزیلی ہدایت اور امام وقت کی تاویلی ہدایت پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہر حقیقی مومن کے دل کی زمین اپنے پُرردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی، اس کی روحانیت

نورِ امامت کے مختلف
ظہورات

حقیقی مومن کی انفرادی
روحانیت میں نورِ امامت
کا فیضان۔

ایک زندہ کتاب کی حیثیت سے معجزانہ گفتگو کرے گی پیغمبروں کی مقدس رو میں اپنے اپنے معجزات اور جملہ واقعات کے ساتھ اس کے روحانی مشاہدے میں آئیں گی، نیز گواہوں یعنی ائمہ اطہار کے پاک انوار کے روحانی ظہورات ہوں گے اور اس مؤمن کے حق میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔

اجتماعی روحانیت میں
نورِ امامت کا اثر

اجتماعی روحانیت میں نورِ امامت اس طرح اثر انداز ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نور جس ظاہری و باطنی ہدایت کی کیفیت میں پیغمبر صلعم کے بعد سلسلہ امامت میں سے طلوع ہوتا ہے اور جس انداز سے علم و حکمت کی مسلسل روشنی اس جہان والوں کو بخش رہا ہے اس کے نتیجے کے طور پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، کہ اس میں دنیائے انسانیت علم و ہنر، عقل و دانش اور شرافت و یگانگت کے اور ج کمال پر پہنچ جائے گی، اور یہ قسم کی بُرائیاں نیست و نابود ہو جائیں گی، اسی وقت حق کو باطل پر فتح حاصل ہوگی اور حق و حقیقت کا دور دورہ ہوگا، غلط عقائد اور نظریات سب کے سب ختم ہو جائیں گے، اور جو سچا عقیدہ اور صحیح نظریہ ہے صرف وہی قائم رہے گا اور اسی کو فروغ حاصل ہوگا۔

یہ ہوا زمین کا اپنے رب کے نور سے روشن ہو جانا، کہ زمین کا مطلب یہاں انسانیت ہے، جو انبیاء و ائمہ کے انوار کے فیوضات کے لئے ہر وقت محتاج ہے، اور یہ ہوا مختلف عقائد و نظریات کے اعمال ناموں کو سامنے رکھ کر قانونِ الہی

انسانیت انبیاء و اولیاء
کے انوار کے فیوضات
کے لئے ہر وقت محتاج
ہے۔

کا فیصلہ کر دینا، پیغمبروں اور اماموں کا حاضر ہو جانا، کیونکہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا یہی ایک دین تھا، جس کی طرف ان تمام حضرات نے ظاہراً و باطناً لوگوں کو دعوت کی تھی، پس ایسا زمانہ انبیاء، ائمہ، صلوات اللہ علیہم اجمعین اور ہر زمانہ کے مومنین کی فتمندی اور کامیابی کا دن ہے، جس کی پیش گوئی قرآن حکیم میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔

انفرادی اور اجتماعی روحانیت کی مذکورہ دونوں حالتوں کو قیامت کے نام سے بھی ہم مان سکتے ہیں، ایسی قیامت انسان کی زندگی میں آتی ہے۔

قیامت انسان کی
زندگی میں آتی ہے۔

اب رہا سوال نورِ امامت اور اس قیامت کے تعلق کا جو انسان کی جسمانی موت کے بعد واقع ہونے والی ہے، جو انفرادی حالت میں بھی ہے اور اجتماعی صورت میں بھی، جس کی مثالیں مذکورہ بالا تفصیلات سے مل سکتی ہیں، مگر اس میں یہ بات ضرور یاد رہے، کہ جسمانی زندگی میں جو بھی روحانیت یا قیامت پیش آتی ہے، وہ جزوی قسم کی ہے، اور مرنے کے بعد جو قیامت واقع ہوگی، وہ کُلّی۔ غرض یہ کہ امام اطہر کا نور ہی ہے جس کی روشنی کے لئے دنیا و آخرت والے ہمیشہ متحاج ہیں۔

نور کے عظیم اسرار

سورۃ شوریٰ کے آخری رکوع کی زبانِ حکمت کا ایک پرمغز اور جامع مطلب یہ ہے، کہ پاکیزہ بشریت کے اعلیٰ ترین مقام پر اللہ تعالیٰ کے مقدس نور کا جلوہ دیدار کچھ لمحات

اللہ تعالیٰ کے نور
مقدس کا جلوہ دیدار

حجاب کے پیچھے سے
کلام الہی

کے لئے حاصل ہوتا ہے، مگر اس اعلیٰ ترین دیدار کے ساتھ ساتھ کلام الہی میسر نہیں ہوتا، ہاں ایک حکمت آگین اشارہ ہو سکتا ہے، کلام الہی تو اس دیدار سے نچلے درجے میں حجاب کے پیچھے سے ہوتا ہے اور اس ربانی کلام سے نچلے درجے میں فرشتے کے توسط سے وحی ہوتی ہے۔

اس کے معنی یہ ہوتے کہ روحانیت کا جتنا لمبا سلسلہ ہے، وہ تین درجات پر مشتمل ہے، چنانچہ سب سے نچلے درجے میں جبریل علیہ السلام وحی لاتا ہے، اس کے اوپر کے درجے میں نور الہی خود ہی حجاب کے پیچھے سے کلام فرماتا ہے اور سب سے اوپر کے درجے میں یہ نور رحمانی صورت میں چند سیکنڈوں کے لئے اپنا جلوہ دکھاتا ہے، مگر اس انتہائی دیدار کے موقع پر کلام نہیں ہوتا، بلکہ ایک جامع قسم کا اشارہ ہوتا ہے۔

پس اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عالم امر سے ایک عظیم روح آنحضرتؐ پر وحی فرمائی تھی، اور سرکائنات اس واقعے سے قبل آسمانی کتاب اور ایمان کے انتہائی درجات سے واقف نہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کی اس روحانیت کو، جو وحی بھی تھی اور روح بھی، نور بنایا، جس کی روشنی میں پیغمبرؐ سب کچھ جاننے لگے، اور اسی نور کی روشنی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ نورِ امامت ”اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا“ کے معنی میں نہ صرف وحی اور قرآنِ ناطق

نورِ امامت ایک عظیم
روح بھی ہے اور قرآن
صامت کے اسرارِ مخفی
کے لئے روشنی بھی۔

کی حیثیت سے ہے، بلکہ یہ ایک عظیم روح بھی ہے، اور جہاں
”جَعَلْنَاهُ نُورًا“ کا ارشاد آیا ہے، وہاں نورِ امامت آسمانی
کتاب یعنی قرآنِ صامت کے اسرارِ مخفی کے لئے روشنی بھی
ہے، اور جوارِ شاد ہوا ہے کہ: ”تَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ
مِن عِبَادِنَا“ اس کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ نور وہی ہے،
کہ جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اکرم سے
قبل کے تمام انبیاء کو بھی وحی کر کے رہنمائی کی تھی ”وَإِنكَ
لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ“ کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے
کہ جب رسولِ خدا کو یہ نور حاصل ہوا تو آپ نے اپنے وقت
میں اسی نور کے ذریعے سے راہِ راست کی ہدایت کی، اور
مستقبل کی ہدایت کے لئے حضور نے بحکمِ خدا امام کو مقرر فرمایا
پھر نورِ امام میں منتقل ہو گیا۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ بِهٖ حَقَائِقُ وَمَعَارِفُ
قُرْآنِي حِكْمَتِ كِي زَبَانِ سِے اور روحانی مشاہدات و تجربات کی
روشنی میں بتائے گئے۔

نورانی معجزات

سورۃ حدید کی نوری آیت میں نور کے بارے میں
باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنے بندے
پر واضح نشانیاں اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو تارکیوں سے نور کی فطرت
نکال دے اور بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا شفیع مہربان ہے۔
یہاں عقل و دانش سے خوب سوچنے کا مقام ہے، کہ

جن تاریکیوں میں سے ایک مسلمان یا ایک مومن ہادی برحق کے بغیر بذاتِ خود نکل نہیں سکتا، وہ کس نوعیت کی تاریکیاں ہیں؟ کیا یہ بات درست ہو سکتی ہے، جو ہم کہیں کہ یہ وہی تاریکیاں ہیں جو جہالت و نادانی اور زمان و مکان کے پیدا کردہ مسائل کی الجھنوں سے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ واقعاً ان تاریکیوں کا مطلب یہی ہے، پھر لازماً ہم کو یہ بھی ماننا ہی پڑے گا، کہ جہالت و نادانی اور مسائلِ نو کی تاریکیوں سے نکل جانے کا ذریعہ صرف ایک ایسی تازہ ترین ہدایت ہی ہو سکتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہو، اور ایسی ربانی ہدایت آنحضرت صلعم کے بعد صرف امامِ وقت ہی کے وسیلے سے حاصل ہو سکتی ہے، پس یہی حکمتِ آئینہ مذکورہ بالا میں پوشیدہ ہے۔

قرآن حکیم کے ان مبارک الفاظ کی روشنی میں جو ارشاد ہوئے ہیں کہ: وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف خدا کا ایک خاص بندہ (انسانِ کامل) ہی ہر زمانے میں موجود ہوتا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ خدا کا یہ فعل بھی ہمیشہ کے لئے جاری رہتا ہے، کہ وہ اپنے بندۂ خاص پر بدلے ہوئے حالات کی ہدایت نازل کرتا ہے، اور خدا تعالیٰ کے حقیقی عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نور کا سرچشمہ ہدایت ظاہر و باطن میں ہمیشہ کیلئے جاری و ساری رہے، چنانچہ ہرگز کائنات صلعم پر عہدِ نبوت کے دوران قرآن پاک کی ظاہری نشانیاں (آیات) نازل

جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نجات صرف امامِ وقت کے وسیلے سے حاصل ہونے والی ربانی ہدایت سے مل سکتی ہے۔

خدا انسانِ کامل پر بدلے ہوئے حالات کی ہدایت نازل کرتا ہے۔

ہوتی رہی ہیں، جن کو تنزیلی نشانیاں اور ظاہری ہدایت کہتے ہیں، اور ہر زمانے کے امام برحق پر حق قرآن حکیم کی باطنی نشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں، جن کو تاویلی نشانیاں اور باطنی ہدایت کہتے ہیں، تاکہ قیامت کے دن کسی زمانے کے لوگوں کو یہ عذر و بہانہ نہ ہو سکے کہ ان کے زمانے میں اللہ کی ہدایت کا کوئی آسان ترین فریضہ موجود نہیں تھا۔

اگر آپ ذاتی طور پر بھی اس حقیقت کی مزید تحقیق کر کے مطمئن ہو جانا چاہتے ہیں، کہ کس طرح آسمانی کتاب کے مکمل نزول کے بعد زمانہ دراز تک اس کی تدریجی تاویل نازل ہوتی رہتی ہے، اور کس طرح اس تاویل کے مکمل طور پر آنے کے ساتھ ساتھ قیامت برپا ہو جاتی ہے، تو اس کے لئے قرآن حکیم کی ان تمام آیات کے معنی میں غور کریں، جو تاویل سے متعلق ہیں، خصوصاً ۳۹، ۴۶، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۲۱، اور سب سے بڑھ کر ۵۳ میں آپ غور کریں، پھر آپ کو یقیناً اس حقیقت کے متعلق اطمینان قلب حاصل ہوگا، کہ نہ صرف آسمانی کتاب کی نازل شدہ آیات کی تاویل تدریج نازل ہوتی رہتی ہے، بلکہ دوسری بہت سی چیزیں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی تاویل عرصہ دراز کے بعد ظاہر ہو جاتی ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ امام زمان علیہ الصلوٰت والسلام کی پاک ہدایت سے جب حقیقی مومن کے دل سے جہالت و نادانی کی تاریکی دور ہو جاتی ہے، تو اس وقت امام عالی مقام کے نور کے علمی و عرفانی معجزات اس کے دل و دماغ میں ظہور پزیر ہوتے

ہر زمانے کے امام برحق پر حق قرآن حکیم کی باطنی نشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں۔

آسمانی کتاب کی تاویل زمانہ دراز تک تدریج نازل ہوتی رہتی ہے۔

تاویل کے مکمل طور پر آنے کے ساتھ قیامت برپا ہو جاتی ہے۔

حقیقی مومن کے دل و دماغ میں امام عالی مقام کے نور کے علمی و عرفانی معجزات کا ظہور

انسان کامل کا مومنین کو
تاریکیوں سے نکال کر
نورِ معرفت کی طرف
لے آنا۔

رہتے ہیں، اور وہ ہمیشہ اپنے باطن میں ایک عجیب غریب علمی
دنیا کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، یہ ہوا اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندے
پر واضح نشانیاں نازل کرنا اور انسان کامل کا مومنین کو تاریکیوں
نکال کر نورِ معرفت کی طرف لے آنا۔

مومنین، مومنات اور نور

سورہ حدید کی بارہویں آیت میں انفرادی روحانیت
اور دورِ قیامت کے اہل ایمان اور نورِ امامت کے بارے میں
ارشاد ہے کہ: جس دن آپ مومنین اور مومنات کو دکھیں گے، کہ
ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف سعی کرتا ہوگا، آج تم
کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں،
ان میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو یہی بڑی کامیابی ہے۔

آیہٴ مقدسہ بالا کا حکمت آگین اشارہ یہ ہے کہ ہر زلزلے کی
انفرادی روحانیت میں بھی اور دورِ قیامت میں بھی امامِ حجتی و حاضر
کا پاک نور مومنین و مومنات کے ساتھ ان کی پیشانی یا داہنی طرف سے
کلام کرتا رہے گا، اور ”یسعی“ کے یہ معنی ہیں کہ اس وقت اہل ایمان
کی روحانیت کی بے شمار منزلیں اس نور کی روشنی و رہنمائی میں
بڑی تیزی کے ساتھ طے ہو جائیں گی، نیز اس لفظ کے معنی بھی
ہیں، کہ یہ نور حقیقی مومنین کے دین و دنیا سے متعلق ہر قسم کی بہتری
اور مہلانی کے لئے سعی کرے گا۔

یہاں البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے، کہ مختلف اعتبارات سے

نورِ اقدس امامِ زمان
کا مومنین و مومنات کے
ساتھ ان کی پیشانی یا داہنی
طرف سے کلام کرنا۔

نورِ مطلق کی مختلف اضافیتیں اور جدا جدا نسبتیں ہوا کرتی ہیں، یعنی قرآن حکیم میں کبھی اس پاک نور کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ ”نور اللہ کا ہے“، کبھی روشن چراغ وغیرہ جیسے الفاظ کے مفہومات کا اشارہ ہوتا ہے کہ ”نور پیغمبر کا ہے“، بعض آیات اپنی زبانِ حکمت سے بتاتی ہیں کہ ”نور امام کا ہے“، اور یہاں آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ ”نور مومنین و مومنات کا ہے“، پس حقیقی مومنین کو نورِ مقدس کے اس قانونِ وحدانیت اور نظامِ جامعیت پر خوب غور و فکر کرنا چاہئے، کہ نورِ واحد کی اس کثرتِ نمائی میں کیا راز ہے؟

بہر حال جاننا چاہئے، کہ نور کی یہ مختلف نسبتیں اپنی اپنی جگہ پر بالکل صحیح اور درست ہیں اور ان میں ذرہ بھر بھی شک نہیں، نیز جاننا چاہئے، کہ ان جدا جدا اضافتوں کے باوجود نور ایک ہی ہے، اور اس میں کوئی دوئی نہیں، پس اس کے معنی، حقیقت اور صفاتِ کمالیہ بھی وہی ہیں جو ”اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ کے مقام پر ہیں۔

منافقتیں، منافقات اور نور

مذکورہ سورہ کی تیسری آیت میں منافقتیں، منافقات اور نورِ امامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: جس روز منافقتیں اور منافقات مومنین سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں ان کو جواب

نورِ جدا جدا اضافتوں کے باوجود ایک ہی ہے۔

دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر وہاں سے روشنی تلاش کرو۔

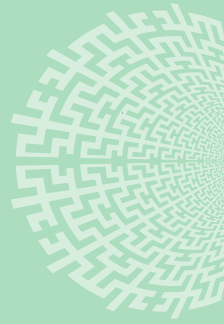
جاننا چاہتے کہ منافق لوگ نہ صرف دورِ قیامت (روحانی دور) میں اہل ایمان کی تیز رفتار روحانی ترقی پر رشک کریں گے، بلکہ ہر زمانے میں نورِ اہمیت کی شاندار رہنمائی اور مومنین کی ترقی اور کامیابی دیکھ کر منافقین کی روہیں زبانِ حال سے فریاد کرتی ہیں، کہ خدا کے لئے ذرا ٹھہرنا کہ ہم بھی تمہارے امام کے نور کی ہدایت میں ظاہری و باطنی کامیابی کی منزلیں طے کریں، مگر ان کو زبانِ حال سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تم تو ارتداد اور عقائد کے راستے میں از سر نو تحقیق کرتے ہوئے اپنے پیچھے چلو، اور تم نے جس دور رہے پر آکر نور کا پاک دامن چھوڑا تھا، اس کے متعلق سوچو اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنے تمام عقائد کو اصلاح کرو پھر ممکن ہے کہ نور ملے۔

نورِ حاصل ہونے کا درجہ

سورۃ حدید کی اُنیسویں آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا مبارک فرمان یہ ہے کہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاپکے ہیں (جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے) ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کیلئے ان کا اجر اور ان کا نوبہ ہے۔

اس آیت کریمہ کے باطن میں بہت سی عظیم حکمتیں نہہان

منافقین کی روحوں کی
زبانِ حال سے فریاد



ہیں ہنجلہ ایک حکمت بالغہ یہ بھی ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ شروع سے آخر تک ایمان کے بہت سے درجات ہیں، صداقت ایک ایسی صفت ہے جو ایمان کا ہونے سے حاصل ہوتی ہے، اور صداقت کے بھی کئی مراتب ہیں، جب صداقت درجہ کمال پر پہنچے، تو اس وقت مردِ مومن میں جذبہ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا ہوتا ہے، اور شہادت کے بھی کئی رُتبے ہیں، پھر اس کے بعد اجر و صلہ کے مراحل آتے ہیں اور اجر کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، اور ان تمام خوبیوں کے نتیجے کی صورت میں نور کا دروازہ کھل کر رہتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حقیقی مومن کی روحانیت کا سب سے اونچا درجہ وہ ہے جہاں اس کو امامِ برحقؑ کے مبارک و مقدس نور کا معجزاتی دیدار اور روحِ انبیا مشاہدہ ہو سکتا ہے، یہ وہ مقامِ وحدت ہے، جہاں پر حقیقی مومنین کی روحوں امامِ اقدسؑ کے نور کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتی ہیں، یہی سبب ہے، جو ارشادِ ہوا ہے، کہ حقیقی مومنین، جنہوں نے خدا اور اس کے رسولوں پر جیسا کہ چاہتے ایمان لایا ہے، اپنے پُروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید جیسے ہیں، یعنی ایسے مومنین اساسوں اور اماموں کے نور سے واصل ہو چکے ہیں، کیونکہ تاویلی زبان میں صدیقین اساسوں کو کہتے ہیں اور شہداء اماموں کا نام ہے، اسی معنی میں کہ چھ ناطق پیغمبروں میں سے ہر ناطق پیغمبر کا ایک اساس ہوا ہے، چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے اساس حضرت مولانا امام علیؑ تھے،

صداقت ایمان کامل
ہونے سے حاصل
ہوتی ہے۔

روحانیت کا سب سے
اونچا درجہ امامِ برحق کے
مبارک و مقدس نور
کے معجزاتی دیدار کا ہے۔

صدیق = اساس
شہید = امام

جنہوں نے نہ صرف شخصی اور ذاتی طور پر قرآن و شریعت کی تاویل کر کے حضور اکرمؐ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی، بلکہ اپنی پاک اولاد کے سلسلہ امامت کے توسط سے بھی تاویلات کا یہ دروازہ ہر بار کھول دیا، جس سے ہمیشہ کے لئے آنحضرتؐ کی مرتبہ پیغمبری کی تصدیق ہوتی رہی، اور اسی تاویلی تصدیق کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ناطق پیغمبر کے ساتھ ایک صدیق مقرر ہوا تھا اور صدیق کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں، اور شہداً اماموں کا نام اس معنی میں ہے، کہ شہداً گواہوں کو کہتے ہیں، جس سے ائمہ اطہار مراد ہیں، کیونکہ یہی حضرت دنیا والوں کے اعمال پر گواہ ہیں چونکہ وہ سلسلہ وار دنیا اور زمانہ میں حی و حاضر ہوتے ہیں۔

نورِ حرمیہ ہدایت

خدا کے مقرر کردہ نور کی موجودگی اور رہنمائی کے بغیر کوئی بھی نظریہ اور مذہب طویل زمانہ کی پُرخطر تارکیوں سے سلامتی کے ساتھ گزر کر حوض کوثر پر وارد نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی دین کا ابتدائی وجود ایک مجسم نور کو ماننے بغیر ثابت ہو سکتا ہے، اسی حقیقت کے باب میں سورہ حدید کی اٹھائیسویں آیت کا یہ ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان لاؤ (تاکہ خدا) تم کو اپنی رحمت سے دو حصے عطا فرمائے گا اور تم کو ایسا نور مقرر کر دے گا کہ تم اس کے ذریعہ چل سکو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

رسول اکرمؐ کی نبوت و رسالت کی تصدیق

شہداً = ائمہ اطہار
دنیا والوں کے اعمال پر
گواہ ہیں۔

کسی بھی دین کا ابتدائی
وجود ایک مجسم نور کو ماننے
بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس مشہور آیت کی تفسیر یہ ہے کہ: اے ایمان والو! جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہو، اب خدا سے ڈرو، یعنی نیات، اقوال اور اعمال میں تقویٰ کو ملحوظ نظر رکھو اور خدا کے رسول حضرت محمد صلعم پر مکمل طور سے ایمان لاؤ، یعنی حقیقی مومنین بنو، تاکہ اللہ تعالیٰ بذریعہ رسول مقبول تم کو اپنی رحمت بیکران سے دو حصے عطا کرے گا، یعنی ظاہری ہدایت اور باطنی ہدایت کا وسیلہ پیدا کرے گا، اور تم کو ایسا نور یعنی امام مقرر کر دے گا، کہ اس کا سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، تاکہ تم دینی اور دنیاوی طور پر زمانے کے ساتھ ساتھ منزل منزل آگے بڑھ سکو گے، یہاں تک کہ تم سلامتی کے ساتھ حوض کوثر پر وارد ہو جاؤ گے۔

پیغمبر اور امام کا نور خدا کا نور ہے

اس کتابچے کے موضوعات کے سلسلے میں یہاں تک آیات نور سے جو کچھ حقائق و معارف بیان کئے گئے، ان سے آپ پر یہ حقیقت واضح اور روشن ہوئی ہوگی، کہ خدا کے مقدس نور کا مظہر انسانی ہدایت کے لئے لباس بشریت ہمیشہ اس دنیا میں حاضر اور موجود ہے، جس کی حاضری و موجودگی کے بغیر عالم ادیان کی ہستی و بقا قطعاً ناممکن ہے، اس حقیقت کی ایک حکم اور روشن دلیل یہ ہے، کہ مادی نور یعنی سونچ کے وجود کے بغیر اس مادی کائنات کا وجود اور نظام لمحہ بمر کے لئے بھی قائم نہیں

نور الہی کا مظہر انسانی ہدایت کے لئے لباس بشریت ہمیشہ اس دنیا میں حاضر و موجود ہے۔

رہ سکتا، کیونکہ یہ ساری کائنات اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے وہ سب سونج کی بے پناہ تکوینی قوتوں سے پیدا ہوا ہے، اور یہ سارا مادّی نظام سونج ہی کی ہمہ گیر طاقتوں پر قائم ہے، یہ سب کچھ منظرِ نورِ حُرّ کی مثال ہے، جو کبھی پیغمبر کی حیثیت سے اور کبھی امام کی صورت میں ہوتا ہے، جس کے ازلی وجود مبارک سے بتدریج عالمِ ادیان پیدا ہوا، اور اسی منظر کی ذاتِ شریف کی طرف سے تمام ادیان کو علیٰ قدرِ مراتب ہدایت حاصل ہوتی رہتی ہے، پس اگر بضرّ مجالِ عالمِ دین میں یہ منظر نہ ہو، تو سارے ادیان نیست و نابود ہو جائیں گے، اسی معنی میں ارشاد ہوا ہے کہ: **وَكُلُّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِي اِمَامٍ مُّبِينٍ۔**

اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام کی نورانی ہستی کی بدولت ہر چیز محفوظ ہے، کیونکہ اس کی مقدّس ہستی لوحِ محفوظ کی حیثیت سے ہے، کہ ہر چیز کو امام کے نور نے گھیر کر رکھا ہے۔

چنانچہ نورِ امامت کی اسی دائمیت اور اس کو بچھانے کے لئے کافروں کی ناکام خواہش و کوشش کے باب میں سورۃ صف کی آٹھویں آیت کا یہ ارشاد ہے کہ: وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا ہر چہ کہ کافر لوگ ناخوش ہوں۔

جاننا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نور کا منظرِ عالمِ ظاہر میں نہ ہوتا اور عالمِ باطن میں ہوتا، تو اُس صورت میں کافر لوگ خدا کے

منظرِ نورِ خدا کے ازلی وجود مبارک سے بتدریج عالمِ ادیان پیدا ہوا۔

امام کی نورانی ہستی کی بدولت ہر چیز محفوظ ہے۔

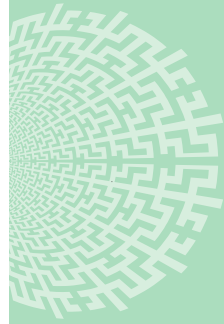
نور کو بچانے کا ارادہ ہی نہ کرتے، کیونکہ کافروں کا ارادہ صرف اس دنیا کی ظاہری چیزوں تک محدود ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی خواہش کی تردید کرتے ہوئے یہ نہ فرماتا، کہ میں اپنے نور کو درجہ کمال تک پہنچا کر ہی رہوں گا، پس معلوم ہوا کہ خدا کا یہ نور اس دنیا میں ظاہر ہے۔

خدا، رسول اور نورِ امامت

سورۃ تغابن کی آٹھویں آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے نبردوار ہے۔ ۶۴۔

اس آیت کریمہ سے جو حقیقت صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے، اُس سے کوئی بھی دانشمند انکار نہ کر سکے گا، کہ اس میں تین مقدس ہستیوں کا جدا جدا ذکر کیا گیا ہے، اور ترتیب سے ان تینوں ذواتِ مقدسہ پر مکمل ایمان لانے کے لئے فرمان ہوا ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے امر ہوا، کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، اس حکم کے تحت وہ تمام نیک باتیں آگئیں، جو خدا پر ایمان لانے سے متعلق ہیں، مثلاً حق تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرنا، اسکے اسماء و صفات پر ایمان لانا، اس کے فرشتوں، کتابوں اور ان پیغمبروں پر ایمان لانا، جو آنحضرتؐ سے قبل دنیا میں



تین ذواتِ مقدسہ پر
ایمان کامل

بھیجے گئے تھے۔

پھر ارشاد ہے کہ اس کے رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ، اس حکم میں مسلمان کی تمام بنیادی باتیں آگئیں، جیسے آنحضرت کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا، قرآن پاک کو برحق ماننا، اسلام اور آنحضرت کی تمام تعلیمات کو قبول کرنا وغیرہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فیضان ہے کہ تم اس نور پر ایمان لاؤ، جو ہم نے نازل کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ پاک نور امامت ہی کا ہے، جو ازل سے موجود ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ناطق کے آسمان نورانیت سے اساس کی زمین شخصیت پر نازل کر دیا، بالفاظِ دیگر یہ نور آنحضرت کی ذات والاصفات سے حضرت مولانا علیؑ کی مقدس ہستی میں منتقل ہو گیا، اور اولادِ علیؑ کے سلسلہ امامت میں تاقیامت قائم ہے، اور اس مبارک نور پر ایمان لانا یہ ہے، کہ مذکورہ سلسلے کے ائمہ طاہرین کو ”مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ“ مان لیا جائے، یعنی یقین ہو کہ یہ امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں، اور ان کی ظاہری و باطنی ہدایات پر عمل کیا جائے، اور نور کے اشاعے سے یہ سمجھنا مقصود ہے، کہ انسانیت اور مذہب کے دور و دراز رستے میں طرح طرح کی تاریکیاں اور گونا گون نطلتیں آنے والی ہیں، جن کے لئے نور امامت کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

جاننا چاہئے، کہ اس آیتِ مقدسہ کا مقصد و منشا بھی ایسا

نور امامت کو اللہ تعالیٰ نے ناطق کے آسمان نورانیت سے اساس کی زمین شخصیت پر نازل کیا۔

ہی ہے جیسا کہ آیۃ اطاعت کا، جو فرمایا گیا ہے کہ: اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور رسول کا کہا مانو اور صاحبان امر کا بھی جو تم میں سے ہیں ۲۶۔

پس معلوم ہوا کہ امام برحقؑ کو امر اور نور دونوں کا مرتبہ عالیہ حاصل ہے، یعنی جس طرح خدا اور رسولؐ نے امام عالی مقامؑ کو صاحب امر مقرر فرمایا، اسی طرح نور بھی اسی کے سپرد کر دیا گیا، کیونکہ نور کے بغیر خدا کی مرضی و خوشنودی کے مطابق امر و فرمان نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی امر و ہدایت سے بڑھ کر نور کا کوئی اور مقصد ہوتا ہے۔

نور ایک زندہ ذکر

جاننا چاہئے کہ معجزہ ہمیشہ انتہائی عجیب و غریب ہی ہوتا ہے، اگر وہ ایسا نہ ہوتا، تو معجزہ ہی نہیں کہلاتا، چنانچہ بعض حقیقی مومنین کو اپنی ذات کی معرفت کے ایک اعلیٰ درجے پر اس حقیقت کا علم ہوتا ہے، کہ نور امامت نہ صرف اپنی ذاتِ اقدس ہی میں ایک نہایت ہی درخشندہ اور تابناک جہان ہے، بلکہ یہ ہر عارف کے باطن میں بھی ایک ایسا نورانی عالم بن کر مشاہدے میں آتا ہے، جس کی عقل و روح تو کلی، کائناتی اور ہمہ گیر ہے۔ اس درجے کی ہے ہی، مگر حیرت اس بات کی ہے، کہ اس عالم نور کی ہر چیز گویا ایک فرشتہ ہے، کہ اس میں ایک پاکیزہ روح بھی ہے اور ایک کامل عقل بھی۔

امام برحقؑ کو امر اور نور دونوں کا مرتبہ عالیہ حاصل ہے۔

نور کا مقصد امر و ہدایت ہے۔



نور امامت ہر عارف کے باطن میں ایک نورانی عالم بن کر مشاہدے میں آتا ہے۔

نور کی ایک زندہ صفت
”ذکر“ بھی ہے۔

بنابرین جاننا چاہئے، کہ نور کی لاتعداد صفات میں سے ہر صفت ایک عظیم زندہ فرشتے کی حیثیت سے ہے، پچنانچہ اسی سلسلے میں نور کی ایک زندہ صفت ”ذکر“ بھی ہے، جس کے کئی معانی ہیں۔

اب ذکر جو نور کی صفت ہے، اس کے معانی یہ ہیں:

- ① ذکر = یادِ الہی جس کی بہت سی قسمیں ⑥ ذکر = قوتِ ذاکرہ
- ③ ذکر = قرآنِ حکیم ④ ذکر = نصیحت ⑤ ذکر = پیغمبر اور امام کا لقب۔

سوال: نور اگر ذکر ہے اور ذکر کے معنی یادِ الہی کے ہیں، تو بتاؤ کہ نور میں یادِ الہی کس طرح سے ہے؟ جواب: حقیقی مؤمنین کو یقین ہو، کہ نور کا سونچ آسمانِ امانت میں بھی اور بحالتِ عکس عارف کے آئینہ دل میں بھی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے معجزانہ ذکر کا حامل ہوتا ہے، یعنی یہ نور کے معجزات میں سے ہے، کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے عظام میں سے کوئی ایک اسم خود بخود ایک قدرتی آواز بن کر دائمی اور مسلسل ذکر کی صورت اختیار کرتا ہے، جس کی ایک ظاہری مثال ایسی ہے، جیسے کوئی خلا نورِ انسان اپنے راکٹ کے ذریعے جب سیارہ زمین کے دائرہ کشش سے باہر نکلتا ہے، تو اس وقت وہ راکٹ کو اڑائے یا نہ اڑائے، بہر حال وہاں کی لاوژنی کیفیت اس کو اور اس کے راکٹ کو اڑانے ہوئے گھماتی رہتی ہے، پس یہی حال اس عارف کا بھی ہے، جس کا ذکر خواہشاتِ نفسانیت کے دائرہ کشش سے نکل کر نور

نور شدید نور آسمانِ امانت
میں بھی اور بحالتِ عکس
عارف کے آئینہ دل میں
بھی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ
کے معجزانہ ذکر کا حامل
ہوتا ہے۔

امامت کے خلفاء میں پہنچ چکا ہو۔

سوال : مانا گیا کہ نور کا ایک نام ذکر بھی ہے، مگر نور ذکر کے معنی میں قرآن کس طرح ہے؟ جواب : نور ذکر کے معنی میں قرآن اس طرح سے ہے، کہ ذکر اگر ایک طرف سے نور ہے تو دوسری طرف سے قرآن کی روح ہے، پس نور، ذکر اور روح قرآن ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ۲۲^۱ میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن وحی کی کیفیت میں اب بھی ایک عظیم روح اور نور ہے۔

نیز اسی روح اور نور کو ۲۲^۲ میں ذکر کا نام بھی دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ : اور ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ ذکر کر لے۔ قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دینے کا مطلب یہ ہے، کہ قرآن کی زندہ روح اللہ تعالیٰ کے اسم بزرگ میں ہے جو امام زمان کا نور ہے، حضور اکرمؐ نبوت سے پہلے اسی بزرگ اسم کا ذکر کر لیا کرتے تھے، اور اسی سے قرآن پاک کا ظہور ہوا، اور اب بھی قرآن حکیم کی روحانیت و نورانیت اسی اسم اور اسی ذکر میں موجود ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا، کہ نور کے ناموں میں سے ایک نام ذکر بھی ہے، اور بیان ہوا کہ ذکر کے یہ یہ معانی ہیں، پس اسی حقیقت کے بارے میں سورہ طلاق کی دسویں اور گیارہویں آیت کا یہ ارشاد ہے کہ : تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کیا ہے، ایک ایسا رسول جو تم کو واضح نشانیاں پڑھتا ہے تاکہ لیے لوگوں

نور، ذکر اور روح قرآن ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

قرآن کی زندہ روح اللہ تعالیٰ کے اسم بزرگ یعنی امام زمان کے نور میں ہے۔

کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کریں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے۔

اس آیتِ حکمت اگین کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے دنیا نے اسلام میں ایک ایسا زندہ اور مجسم ذکر بھیجا، کہ اس میں ذکر کے تمام مذکورہ معانی اور اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، جو رسولِ مقبولؐ تھے، دوسری طرف سے اس کے باطنی معنی یا تاویل یہ ہے، کہ حقیقی مومنوں اور عارفوں کے پاکیزہ دل و دماغ میں اسمِ اعظم کا ذکر ڈالا گیا ہے، جس میں رحمتِ عالمین اور امامِ مبین کا نورِ واحد موجود ہے، جو ہمیشہ روحانیت، ہدایت اور علم و حکمت کی روشن آیات پر ٹھٹھا ہے تاکہ مومنوں اور نیکوکاروں کو جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نکال کر اپنی ذات کی انتہائی معرفت کی روشنی کی طرف لے آئے۔

نور اور دورِ روحانیت

سورۃ تحریم کے دوسرے رکوع کے شروع (یعنی ۳۳) میں ہے کہ: اے ایمان والو تم اللہ کی طرف خالص توجہ کرو، قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے برائیاں دُور کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دے گا، جن کے نیچے نہیں چسپتی ہیں، اُس دن اللہ تعالیٰ نبی (صلعم) کو اور جو مومنین (تا بعد از نبی کی طرف سے) ان (یعنی پیغمبر) کے ساتھ ہیں، ان کو رسوا نہ کرے گا، ان کا نور ان کے دلہنے اور ان کے سامنے سعی کرتا ہوگا، کہیں گے کہ

رسولِ مقبولؐ زندہ اور مجسم ذکر تھے۔

اسمِ اعظم میں رحمتِ عالمین اور امامِ مبین کا نورِ واحد موجود ہے۔

لے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آئیہ مقدّسہ کی حکمتوں کے سلسلے میں یہ ہے کہ عموماً سب بلانوں سے اور خصوصاً عہدِ نبوت کے مسلمین سے فرمایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو! تم اللہ کی طرف توبہ نصوح کرو، یعنی اے لوگو! جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف خاص اور سچی توبہ کر لو، مطلب یہ کہ ظاہری اور باطنی گناہوں کو انتہائی ندامت کے ساتھ ترک کر دو اور اپنی نیت، قول اور عمل کی واجبی طور پر اصلاح کرو، کیونکہ توبہ الی اللہ کے معنی دل و جان سے خدا کی طرف رجوع کرنے کے ہیں، جس کے لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد جو الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، اُن میں نور اور روحانی دور کے انقلابات کی پیش گوئی کی گئی ہے، اور روحانی دور کی بابت یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ کہ وہ باطنی طور پر ہمیشہ جاری و ساری ہے، اور دوسری صورت یہ ہے، کہ وہ ایک مقررہ وقت میں ظاہر ہو کر دنیا والوں کو متاثر کرے گا۔

اب اس مقام پر قرآن حکیم کی حکمت کا یہ اصول قابل ذکر ہے، کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں دنیا والوں کی اجتماعی حالت کے بارے میں کوئی پیش گوئی کی گئی ہے، اس کے اندر لوگوں کی انفرادی حالت کی بھی پیش گوئی پوشیدہ ہے،

توبہ الی اللہ (دل و جان سے خدا کی طرف رجوع کرنے کے لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی ضرورت ہے۔

روحانی دور کی دو صورتیں۔

مثال کے طور پر جن آیات کریمہ میں ایسی قیامت کا ذکر آیا ہے جو موت کے بعد واقع ہونے والی ہے، ان میں انسانی افراد کی شخصی قیامتوں کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ خالص اور سچی توبہ کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ”قریب ہے کہ تمہارا پورا دگارتم سے بُرائیاں دُور کر دے گا“ اس ارشاد سے ایک توبہ معلوم ہوتا ہے، کہ نافرمانیوں اور گناہوں سے توبہ نصوح کرنے کے بعد بھی مومنوں میں کچھ ایسی بُرائیاں باقی رہتی ہیں، جنہیں وہ خود دور نہیں کر سکتے، دوسرا یہ پتہ چلتا ہے، کہ خالص اور قلبی طور پر توبہ کرنے کے بعد امام وقت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا دروازہ کھل جانے کی امید ہے۔

یہاں پر یہ ضروری سوال پیدا ہوتا ہے، کہ وہ کون سی بُرائیاں ہیں، جن کو مومن اپنی ذات سے توبہ نصوح کرنے کے باوجود بھی دور نہیں کر سکتا؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ انتہائی حد کی توبہ کرنے کے بعد نفسانی گناہوں کی امکانیت البتہ ختم ہو جاتی ہے، مگر مذہب سے متعلق باطل خیالات اور غلط نظریات ایسی چیزیں ہیں، جن کو مٹانے کے لئے تنہا توبہ نصوح کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے ساتھ خصوصی ہدایت اور علم توحید کی ضرورت ہے، جو امام زمانؑ کے وسیلے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

بعد ازاں ارشاد ہے کہ: ”اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دے گا، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں“، یہ بہشتِ روحانیت کے اُن باغوں کا ذکر ہے، جن کا تعلق نہ صرف انسان کی دوسری

خالص اور قلبی توبہ کرنے کے بعد بوسیلہ امام وقت اللہ تعالیٰ کے رحمتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

مذہب سے متعلق باطل خیالات اور غلط نظریات کو مٹانے کے لئے تنہا توبہ نصوح کافی نہیں۔

ہی زندگی سے ہے، بلکہ اسی زندگی کی روحانیت میں بھی حُبِ نبوی طور پر ان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جن میں انسانی عقل و جان کے لئے ہر قسم کی نعمتیں اور لذتیں موجود ہیں، ایسے باغوں کے نیچے تائیدِ الہی کی نہریں چلتی ہیں یعنی ان روحانی درجات میں عقلِ کُل کی تائید، نفسِ کُل کی تخلیق، ناطق کی تنزیل اور اساس کی تاویل کی قوتیں جاری و ساری ہیں۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ: "اُس دن اللہ تعالیٰ نبی (صلعم) کو اور جو مومنین (رفما نبرداری کی رُو سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا" یہ واقعہ روحانی دُور سے متعلق ہے، روحانی دُور دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، وقت سے پہلے انفرادی طور پر بھی ہے، اور وقت آنے پر اجتماعی حالت میں بھی؛ ایسے دور میں خدا تعالیٰ پیغمبر کو اور ان مومنین کو رسوا نہیں کرے گا، جو تابعِ لداری، محبت اور روحانیت کے اعتبار سے اور نورِ امامت کی معیت کے لحاظ سے (کہ امام کا نور پیغمبر کا نور ہے) پیغمبر کے ساتھ ہیں۔

"اُن مومنین کا نور ان کے دلہنے اور ان کے آگے سعی کرتا ہوگا" یعنی ایسے دور میں، جس کا اوپر ذکر کیا گیا نورِ امامت؛ جو نورِ ایمان بھی وہی ہے، مومنین کے دلہنے کا نور ان کی پیشانی سے خطاب کرے گا، جس میں ان کی دنیا و آخرت سے متعلق رشد و ہدایت اور علم و حکمت ہوگی، کیونکہ تاویل کی زبان میں داہنی طرف ظاہر کو کہتے ہیں، جس سے یہ دنیا ماری ہے،

بہشتِ روحانیت کے باغوں کے نیچے تائیدِ الہی کی نہریں چلتی ہیں۔

دورِ روحانی دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، انفرادی طور پر بھی ہے اور اجتماعی حالت میں بھی۔

دورِ روحانی میں نورِ امامت مومنین کے دلہنے کا نور ان کی پیشانی سے خطاب کرے گا۔

اور آگے کا مطلب آخرت ہے، کہ آخرت انسان کے مستقبل میں ہے۔

”کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما“، یعنی اس وقت مومنین کو اس بات کا احساس ہوگا، کہ وہ باوجود کم علمی اور محتاجی کے قبلاً اس رحمت بے پایان سے غافل تھے، لہذا وہ خداوند تبارک تعالیٰ سے یہ دعا کریں گے، کہ اے پروردگار! ہمارے اس نور کو درجہ کمال تک پہنچا دے! یعنی ہماری ذاتی روحانیت کو نور کی اصل سے واصل کر دے! اور ہم جو اس امکانی رحمت سے قبلاً غافل رہے ہیں، اس کے لئے ہمیں معاف فرما! اور ہمارے آئندہ گناہوں کو بھی بخش دے!

”بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے“، یعنی جب مومنین روحانی دور میں اللہ جل شانہ کے لاتعداد معجزات اور بے شمار قدرتوں کا مشاہدہ کریں گے، تو اس وقت وہ زبانِ قال اور زبانِ حال دونوں سے کہا کریں گے، کہ بیشک تو ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے، اور تیری قدرت میں ”کوئی شئی ناممکن نہیں“

آفتاب و ماہتاب

قرآن حکیم کی $\frac{1}{8}$ ، $\frac{25}{61}$ اور $\frac{1}{14}$ میں سورج اور چاند کی روشنی کا ذکر اس انداز سے کیا طور پر آیا ہے، کہ سورج اس کائنات کے لئے ظاہری اور مادی روشنی کا سرچشمہ ہے اور چاند اس کا منظر ہے۔

یہ پڑھتے آیتیں ایک ہی موضوع یعنی نور کے مضمون اور بیان سے متعلق ہیں، جن کے مربوط مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجے میں بہت سے حقائق و معارف سامنے آتے ہیں، جن سے نور اور منظر نور کے تصور کے علاوہ توحید کے دوسرے انتہائی اعلیٰ تصورات جیسے ہمہ ازوست یا ہمہ اوست وغیرہ کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

چنانچہ سورہ نوح کی چند ہویں اور سولہویں (یعنی ۱۵-۱۶) میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنا لئے ہیں اور چاند کو نور قرار دیا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔

جاننا چاہیے، کہ قرآنی حکمت کے اصولات میں سے ایک اصول یہ بھی ہے، کہ کسی بھی گویہ حقیقت کا مشاہدہ نہ صرف اس کے مختلف پہلوؤں سے کرایا جاتا ہے، بلکہ ہر پہلو کا مشاہدہ بھی مختلف زاویوں سے کرایا جاتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ میں، جو سورج، چاند اور ان کی روشنی کے متعلق ہیں،

کبھی ارشاد ہوا ہے، کہ سونج کی ذات چراغ ہے یعنی ایک غالی
 طرف، کبھی ارشاد کیا گیا ہے، کہ وہ ایک روشن چراغ ہے اور کبھی
 فرمایا گیا ہے، کہ سونج گویا چراغ کا ظرف ہے اور چاند اس کا نور
 (یعنی شعلہ) ہے۔

پس حقیقی مومنین کے لئے واضح رہے کہ نور کی مذکورہ
 مثالوں کے مشمولات اس طرح سے ہیں، کہ قرآن پاک میں جہاں
 سونج کی مثال لینے طرف چراغ سے دی گئی ہے جس کو روشن
 کر دینے کے لئے تیل کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں نظریۂ
 ہمہ اوست (یک حقیقت) کی طرف اشارہ ہے، کہ جس طرح اجزا
 کائنات کے تمام ذرات باری باری سونج کے مقام پر پہنچ کر
 روشنی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اسی طرح ہر چیز کی روح
 جب خدا کی ذات سے داخل ہو جائے، تو وہ فنا ہو کر اس کی
 صفات کی روشنی بن جاتی ہے، یہ ہمہ اوست اور یک حقیقت کا
 نظریہ ہے۔

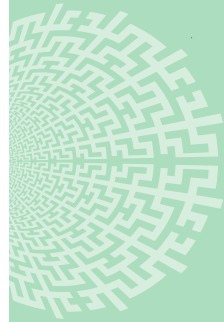
جہاں ارشاد ہوا ہے کہ سونج ایک ایسا روشن چراغ
 ہے جو کائنات میں روشنی پھیلا دیتا ہے، تو اس کے معنی ہمہ ازوست
 اور یک الہیت کے ہیں، کیونکہ جس طرح ہر چیز کا مادہ وجود سونج
 سے بنتا ہے، اسی طرح ہر چیز کی روحانی ہستی خدا سے ہے۔
 اور جہاں سونج کو چراغ اور چاند کو نور یعنی شعلہ، چراغ قرار
 دیا گیا ہے، اور یہ مثال رات کے کماٹ سے ہے، جس کا مطلب یہ
 ہے، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی غیر مرنی صفات

نظریہ ہمہ اوست
 (یک حقیقت)

نظریہ ہمہ ازوست
 (یک الہیت)

کا نور امامِ زمان سے ظاہر ہوتا ہے، چونکہ یہی انسانِ کامل ہے اور یہی خدا کا منظر ہے۔

روشنی بلا واسطہ سونج کی ہو یا بالواسطہ چاند کی، ہر حالت میں ایک ہی روشنی ہے، اس میں کوئی دوئی نہیں، مگر اس میں فی سرق ضرور ہے کہ رات کے وقت جو روشنی چاند سے زمین پر پڑتی ہے، وہ براہِ راست نہیں آتی، بلکہ چاند کی سطح سے ٹکرا کر آتی ہے، اس لئے وہ سونج کی روشنی کی طرح تیز اور گرم نہیں ہوتی، جس کی وجہ یہ ہے، کہ ہم رات کے وقت نہ صرف یہی کہ سونج سے دور ہو جاتے ہیں، بلکہ چاند بھی ہم سے بہت ہی دور رہتا ہے، پس اگر ہم اُس وقت چاند کی سطح پر جائیں، تو وہاں اس وقت رات نہ ہوگی بلکہ دن ہوگا، اس لئے وہاں ہم کو براہِ راست سونج نظر آئے گا، اس مثال کی تاویل یہ ہے کہ جو انسان امامِ زمان کے لئے اقرار کرے، اس کے لئے امام کی شخصیت چاند ہے اور امام کی ہدایت چاند کی روشنی ہے، جب ایسا مومن منازلِ معرفت کو طے کر کے امام کی ذاتِ اقدس تک پہنچ جائے گا، تو اس وقت اس کے لئے امامِ زمان کی ہدایت خدا و رسول کی ہدایت ثابت ہوگی، جیسے چاند کی روشنی میں چاند پر پہنچ جانے کے ساتھ ساتھ چاندنی سونج کی روشنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔



امامِ زمان کی ہدایت
خدا اور رسول کی ہدایت
ہے۔

امام شناسی

حصہ سوم



اس حصے میں بعض کلیات کی وضاحت کی گئی ہے یعنی وہ آیات جن میں لفظ کل کا ذکر آیا ہے۔

حرفِ آغاز

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت و بعثت سے قبل رب العزت نے جو تمام فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً - یعنی میں (ہمیشہ) زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ اس فرمانِ خداوندی کا اصل مطلب یہ پیش گوئی اور یہ اعلان تھا، کہ خلافتِ نبیابتِ الہیہ کا مبارک و مقدس منصب آدمؑ و اولادِ آدمؑ کے انبیاءِ کرامؑ اور ائمہٗ عظامؑ کے پاک سلسلے میں رہتی دنیا تک جاری و باقی رہے گا، چنانچہ اسی منشاءِ خداوندی کے مطابق پہلے دورِ نبوت میں یہی خلافتِ الہیہ پشت بہ پشت چلتی آئی تھی، اور اس کے بعد پھر دورِ امامت میں یہی ربانی منصب آج تک جامہ بجامہ جاری ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی یہی سلسلہ چلتا رہے گا۔

اس حقیقت کے بارے میں اگر کوئی دانشمند ذاتی طور پر بھی تحقیق و تدقیق کرنا چاہے، تو اسے سب سے پہلے لفظ جَاعِلٌ کے معنی میں خوب غور و فکر کرنا چاہئے، کہ جَاعِلٌ اسمِ فاعل ہے اور یہاں اس کی معنوی وسعت کا تعلق فی

خلافت و نبیابتِ الہیہ کا مبارک منصب آدمؑ و اولادِ آدمؑ کے پاک سلسلے میں رہتی دنیا تک جاری ہے۔

الارض کے ساتھ ہے، اور فی الارض سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیام قیامت تک سیارہ زمین پر بستے جائیں گے، اور لفظ خَلِيفَةٌ سے اس حقیقت کا دو طرح سے ثبوت ملتا ہے، کہ خَلِيفَةٌ کے معنی ہیں ایک جانشین یا ایک نائب، جو ایک اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام خدا کا وہ واحد خلیفہ ہے، جس کی اولاد کے تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام اپنے اپنے وقت میں اُسی کی خلافت کے وارث، ولی اور نمائندے تھے، اور دوسرے اعتبار سے یہ بھی درست ہے کہ ہر پیغمبر اور ہر امام اپنے زمانے میں خدا کا ایک خلیفہ ہے، اور یہ دونوں باتیں ایک ہی حقیقت کی حامل ہیں۔

اگر حضرت آدمؑ کی خلافت ان کی اولاد کے پیغمبروں اور اماموں کے سلسلے میں قیامت تک جاری و باقی رہنے والی نہ ہوتی، تو فرشتوں نے امر خلافت پر اعتراض کیوں اٹھایا، اگرچہ وہ فرشتے حقائق اشیا سے واقف و آگاہ تو نہیں تھے، لیکن دنیا میں پیش آنے والے واقعات کی ظاہری حالت کو کسی ذریعے سے جانتے تھے، اور ان کا اعتراض اس انداز میں ہے کہ اس سے دنیا میں ہمیشہ لوگوں کے درمیان خلیفہ خدا کی موجودگی ثابت ہو جاتی ہے، جیسے انہوں نے کہا کہ: کیا تو ایسے شخص کو زمین میں خلیفہ مقرر کرتا ہے، جو اس میں فساد اور خونریزیاں مکرے گا۔ پ ۱۱ اس کے جواب

حضرت آدمؑ کی اولاد کے تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام اُسی کی خلافت کے وارث تھے۔

فرشتوں نے امر خلافت پر اعتراض کیوں اٹھایا؟

میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔

دنیا میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور حق و انصاف کی تائید و حمایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی خلافتِ صوری و معنوی ہمیشہ قائم ہے، اسی لئے پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ: يَا دَاوُدْ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۗ لَئِىْ دَاوُدُ يَتَحَقَّقُ هُمْ نَے تم کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرتے رہنا۔ اس آیتِ کریمہ سے یہ مطلب صاف طور پر ظاہر ہوا، کہ خدائے حکیم نے وہ حکم، جو زمین والوں سے متعلق تھا، تمام معنوں کے ساتھ اپنے برگزیدہ خلیفہ کے حوالے کر دیا ہے، ورنہ خلیفہ کا یہ لقب بے معنی ہو جاتا، قرآنِ پاک کی اس تعلیم کے بموجب جب حکم دینا خلافتِ الہی کے بغیر و انہیں، تو امر کرنا خدا کی خلافت کے سوا کس طرح جائز ہو سکتا ہے، پس یہ حقیقت یقینی الفاظ میں ثابت ہوئی، کہ قرآنِ حکیم نے ائمہٴ طاہرین صلوات اللہ علیہم کو اولو الامر اس لئے کہا ہے، کہ ان کو اللہ نے رئے زمین پر اپنی خلافت و نیابت کے شرف سے مشرف کر کے امر کا مالک اور مختار بنا دیا ہے۔

امام شناسی کی اس کتاب کے آغاز میں خلافتِ آدمؑ کی بحث اس لئے کی گئی، کہ ان کی خلافت نہ صرف کارِ نبوت کی بنیاد ہے، بلکہ یہ کسی شک کے بغیر امرِ امامت کی

دنیا میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی خلافت ہمیشہ قائم ہے۔

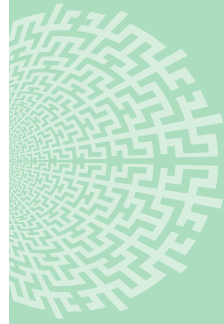
امر کرنا خدا کی خلافت کے سوا جائز نہیں۔

ائمہٴ طاہرین رئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت و نیابت کے شرف سے مشرف اور امر کے مالک ہیں۔

بھی اساس ہے، پس ہم نے اس بیان میں حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کی خلافت کی قرآنی دلیل سے یہ حقیقت واضح کر کے بتایا، کہ امام خدا کے خلیفہ معنوی کی حیثیت سے ہمیشہ دنیا میں حاضر اور موجود ہیں، اور ان کی معرفت کا حصول ہر دیندار آدمی کے لئے انتہائی ضروری شے ہے، چنانچہ ہم نے اپنے اسماعیلی بھائیوں کے لئے امام شناسی کے مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ہے، جس میں قبلاً دو کتابیں تیار ہو چکی تھیں، اب خدا کے فضل و کرم سے زیر نظر کتاب اسی سلسلے کا تیسرا حصہ ہے، جو مکمل ہو کر آپ کے سامنے ہے۔

یہ کتاب ایسی آیات قرآنی کی شہادتوں پر مبنی ہے، جن میں ”کُلُّ“ کا لفظ آیا ہے، ان آیتوں کو کلمات یعنی عام قوانین کے درجے میں مانتے ہوئے ہر کلمے کی حقیقتوں سے امام شناسی کی ضرورت اہمیت ظاہر کر دی گئی ہے، اس کتاب میں مضامین کا یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے، کہ قرآن مجیم میں امام شناسی کا ایک مشہور کلمہ ”وَكُلُّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَّاہِ مُّبِيْنٌ“ ہے، اور اس کے معنی ہیں کہ رب العزت نے ہر چیز کو امام مبین کی ذات میں گہر کر رکھا ہے، جب یہ ایک لمحہ حقیقت ہے کہ امام ہر چیز پر محیط ہے، تو ماننا پڑے گا، کہ امام شناسی کا موضوع تمام موضوعات پر حاوی ہے، پس ہم نے یہ ثابت کر کے

امام خدا کے خلیفہ معنوی کی حیثیت سے ہمیشہ دنیا میں حاضر اور موجود ہیں۔



چونکہ امام ہر چیز پر محیط ہے (۱۲:۳۶) اس لئے امام شناسی کا موضوع تمام موضوعات پر حاوی ہے۔

قرآن حکیم کی ساری آیات
مختلف کلیتوں میں، اور
تمام کلیات، کلمیہ امام
مبین میں سموتے ہوئے
ہیں۔

دکھانا تھا، کہ امام شناسی کے مذکورہ کلمے نے قرآن کے
دوسرے تمام کلیات کو کس طرح گھیر لیا ہے، چنانچہ آپ اس
کتاب کے مطالعے سے یہ معلوم کر سکتے ہیں، کہ واقعاتِ م
کلیاتِ امامِ مبین کے کلمے میں داخل ہیں اور قرآنِ حکیم کی
ساری آیات مختلف کلموں میں سموتی ہوئی ہیں۔

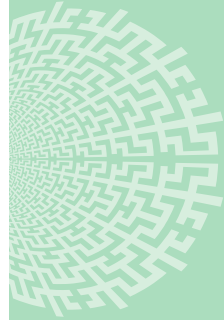
قرآن و حدیث کے علاوہ عقل بھی اس بات کی گواہی
دیتی ہے، کہ ہر چیز کا ایک دروازہ ہوا کرتا ہے، اسی طرح
قرآن کی مختلف حکمتوں کے بھی نزلے ہیں، ان خزانوں کے
مفضل دروازے ہیں اور ان قفلوں کی کلیدیں ہیں، جیسے قرآن
پاک کا ارشاد ہے کہ: **أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَالِيَ**
قُلُوبٍ آقْفَالُهَا ۚ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے
یا (ان کے) دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔ چنانچہ ہم
نے اس کتاب میں (ان شاء اللہ تعالیٰ) امام برحق صلوات اللہ
علیہ وسلم کے نو معرفت کی روشنی میں جن خاص خاص
کلیدوں کو درج کر لیا ہے وہ حقیقی مومنین کے لئے واسعی
امام شناسی اور قرآنی علم و حکمت کے گنجینوں کی کلیدیں ہیں۔
میں یہ کہتے ہوتے کوئی شرم محسوس نہیں کرتا ہوں
بلکہ اس سے مجھے بے اندازہ خوشی ہے کہ میں علم کا غنی نہیں،
درویش ہوں اور امامِ عالی مقام کے دروازہٴ روحانیت پر
شبِ روز شکرِ اللہ کی صدا وصل لگاتا رہتا ہوں، پس اگر
میری تحریریں سے جماعت کی کوئی علمی خدمت ہو سکتی ہے،

تو یہ اسی شاہِ ولایت و نورِ ہدایت کی مہربانی سے ہے، اور
اگر ان قلمی کوششوں میں کچھ لفظی خامیاں ہیں، تو وہ میری
اپنی نفسانی کدورتوں کے سبب سے ہیں۔

ہیں بالآخر گروہِ مومنین کی قلبی دعائیں چاہتا ہوں
تاکہ قادرِ متعال اپنے ولیّ امر امامِ حجت و حاضر کے وسیلے سے
اس بندۂ ناچیز کو بیش از بیش علمی خدمت کی توفیق و بہت عطا
فرمائے! آمین یا رب العالمین!!

فقط خاکسارِ مصنف

۱۲/۳/۷۴



کلمہ نمبر ۱

قدرتِ کاملہ

قدرتِ کاملہ = اللہ تعالیٰ
کی طاقت و توانائی

اللہ تعالیٰ کی طاقت و توانائی کا نام قدرتِ کاملہ ہے، قرآن حکیم کے پر حکمت کلیات کے سلسلے میں سب سے پہلے وہ کلمہ آتا ہے، جو قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کے متعلق ہے، جو سورہ بقرہ کی بیسویں آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ: **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (۲۰۶) یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یہاں **كُلِّ شَيْءٍ** کی وضاحت سب سے ضروری ہے کہ **كُلِّ شَيْءٍ** یعنی ہر چیز سے نہ صرف ممکنات مراد ہیں، بلکہ اس میں غیر ممکنات کا بھی تذکرہ موجود ہے، کیونکہ قادرِ مطلق کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں، جسکی ایک واضح اور روشن دلیل یہ ہے، کہ زمانہ قدیم کے دنیاوی حکما کے نزدیک جتنی چیزیں ناممکن تھیں، ان میں سے اب بہت سی چیزیں سائنسی انقلاب کی بدولت ممکن ہو چکی ہیں، اور اس قسم کے انکشافات و ایجادات کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، پھر یہ اندازہ شاید غلط نہ ہوگا، کہ آنے والی چند صدیوں کے اندر اندر بے شمار ناممکن چیزیں ممکنات میں شامل ہو جائیں گی،

كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز) میں ممکنات کے ساتھ ساتھ غیر ممکنات کا تذکرہ بھی ہے۔

اسی طرح رفتہ رفتہ ہو سکتا ہے، کہ غیر ممکن اور محال کا نظریہ قطعی طور پر ختم ہو جائے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے اور اس کے لئے کوئی چیز ناممکن نہ ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو، کہ انسان، جو اس کی ایک مخلوق ہے، آئے دن کسی نہ کسی ناممکن چیز کو ممکن ثابت کرتا جا رہا ہے، یہ سب کچھ اسی قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کی مہربانی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے بیان کے ضمن میں انسان کی طاقت و توانائی کی بحث بھی چھڑ گئی ہے، اور یہ مسئلہ ایسا نہیں، کہ اس کو پس پشت ڈال دیا جائے، کیونکہ ”ناممکن“ کا تصور وہی تو ہے، جس نے دنیا کی بہت سی قوموں کے لئے علم و حکمت کے دروازے بند اور ترقی و کامیابی کی راہیں مسدود کر دی ہیں، اس لئے جاننا چاہیے، کہ انسان، خواہ وہ ماوریت کے میدان میں ہو یا روحانیت کے مقام پر، خدا تعالیٰ کی قدرت و توانائی کا مظہر ہے، کیونکہ خدا نے حکیم کے سارے معجزات انسان ہی سے ظہور پزیر ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ :-

انسان خدا تعالیٰ کی قدرت و توانائی کا مظہر ہے۔

خدا نے حکیم کے سارے معجزات انسان ہی سے ظہور پزیر ہوتے رہتے ہیں۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي الْأَنْفُسِمْ
حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَ لَهُمْ إِنَّهُ الْحَقُّ ۗ ۝۱۳۱۔ ہم عنقریب ان کو
آفاق میں بھی اور ان کے نفوس میں بھی اپنے معجزات دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ برحق ہے۔

ظاہری اور مادی قسم
کے معجزات

روحانی قسم کے معجزات

قرآن حکیم کی اس پیش گوئی سے دانا کے لئے نظر ہے، کہ پہلے تو اس دنیا میں ظاہری اور مادی قسم کے معجزات رونما ہونے والے تھے، جنکا سلسلہ اب تک جاری ہے، اس کے بعد نفوسِ انسانی روحانی دور کی آمد سے متاثر ہونے والے ہیں، جس کے نتیجے میں روحانی قسم کے معجزات کا دور دورہ ہونے والا ہے، پس مؤمن کو چاہئے، کہ روحانیت کے انقلابی دور کے ساتھ سازگاری کے لئے اپنے آپ کو تیار کر کے رکھے، یہ تیاری کس طرح ہو سکتی ہے؟ یقینی درجے کے علم سے، امام شناسی کے علم سے اور ذاتی روحانیت کے تجربات سے، اس کے علاوہ قرآن حکیم کے ایسے کلیات میں غور و فکر کرنے سے، جن میں ہر چیز کے قوانین کا علم و حکمت اور ہر شے کی حقیقت و معرفت موجود ہے، تاکہ ایک طرف سے ”ناممکن“ کا تصور ختم ہو کر ”ممکن“ کا نظریہ پیدا ہو سکے اور دوسری طرف سے روحانی دور کے اثرات کے تحمل ہونے کی اہلیت پیدا ہو سکے۔

جب تک کوئی انسان مادیت کی تنگے تاریک چار دیواری کے اندر مقید و محبوس، روحانی علم سے بے بہرہ اور امکانیت کی بے پناہ وسعتوں سے نا آشنا ہے، تو پھر وہ کیسے باور کر سکتا ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور علم نے انسان کے لئے ہر قسم کی امکانیت پیدا کر دی ہے اور کوئی چیز ناممکن نہیں، بلکہ ہر چیز، ہر بات اور ہر کام ممکن ہے، ہاں یہ بات

اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت
اور علم نے انسان کیلئے ہر
قسم کی امکانیت پیدا کر دی
ہے۔

ہر ممکن کے لئے ایک
مناسب مقام اور ایک
خاص موقع یا کہ کوئی ضروری
شرط مقرر ہے۔

ضرور ہے کہ ہر ممکن کے لئے ایک مناسب مقام اور ایک
خاص موقع یا کہ کوئی ضروری شرط مقرر ہے، یعنی ازل سے
ابد تک، دنیا سے آخرت تک اور مکان سے لامکان تک
انسان کے لئے ہر چیز کی امکانیت کے بے شمار مواقع ملنے
والے ہیں، اسی لئے ارشاد ہے کہ مایوسی کفر ہے اور اسی لئے
فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم نے خدا سے مانگا تھا، اُس نے وہ سب
تم کو دے رکھا ہے۔

قدرتِ کاملہ اور ممکن و ناممکن کے اس بیان کے ساتھ
ساتھ لازمی ہے کہ انبیاء و ائمتہ علیہم السلام کے ظاہری و
باطنی اور علمی و عملی معجزات کا بھی بطریق اجمال کچھ تذکرہ کر دیا
جائے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہے، کہ قادرِ مطلق نے جن کامل
انسانوں کو نبوت یا امامت کے نورِ مقدس کا حامل بنا کر بنی
نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مقرر فرمایا ہے،
ان کو اثباتِ حقیقت و صداقت کے طور پر طرح طرح کے
معجزات کی روحانی طاقت سے بھی نوازا ہے، تاکہ ہادی برحق
کے متعلق باور کرنے والے مکمل طور پر باور کریں اور انکار کرنے
والے یا تو باور کریں یا انتہائی حد کا انکار کریں، تاکہ ان کے باک سے
میں قانونِ الہی کوئی فیصلہ صادر کرے، ظاہری اور حسی معجزات
کی کیفیت و حقیقت بس ایسی ہے، مگر بسا اوقات ایسا بھی
ہوا ہے، کہ جن لوگوں نے شروع شروع میں معجزات پر ایمان
لایا تھا، وہ بھی رفتہ رفتہ ان معجزات کے ایسے ہی عادی بن

قادرِ مطلق نے انبیاء و اولیاء
علیہم السلام کو اثبات
حقیقت و صداقت کے
طور پر طرح طرح کے معجزات
کی روحانی طاقت سے
نوازا ہے۔

تساوتِ قلبی = دل کی
سختی

ہادی برحق کی فرمانبرداری
عشق میں علم و حکمت کے
عجائبات و معجزات
پوشیدہ ہیں۔

گئے، کہ معجزات انکی نظر میں معجزات ہی نہ رہے، انہوں نے
معجزات کو اور ٹھنا بچھونا بنا لیا، ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ
ان میں تساوتِ قلبی پیدا ہوئی یعنی دل کی سختی، جس کی وجہ سے
ان کا ایمان روز بروز کمزور ہوتا گیا، اس واقعہ کی ایک مثال نبی
اسرائیل کے قرآنی قصے میں موجود ہے۔

ان حالات کے برعکس ہادی برحق کی حقیقی فرمانبرداری
اور اس کی محبت و عشق میں ایمان و ایقان، اور علم و حکمت کے
جو جو عجائبات اور معجزات پوشیدہ ہیں، ان کے بار بار سامنے
آنے سے مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان
میں کوئی خطرہ نہیں۔

کلید نمبر ۲

علمِ الہی

دوسرا قرآنی کلیہ اللہ تعالیٰ کے علم کے باب میں ہے، جو البقرہ کی ایتسویں آیت میں ہے کہ: **وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس حقیقت کے بارے میں مومنین و مسلمین کو ذرہ بھر شک و شبہ نہ ہوگا، کہ اللہ پاک ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ اس کے احاطہ علمی سے کوئی چیز باہر ہے، لیکن جو اہل بصیرت خدا کی توحید و معرفت سے واقف و آگاہ ہیں، ان کے نزدیک علم کی یہ صفت حضرت رب العزت کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ اس کی فرمانبرداری کے نتیجے میں قلم قدرت (عقل کل) اور لوح محفوظ (نفس کل) کو بھی ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی قدرت دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک ایسی زندہ اور حقانیت و صداقت سے بولنے والی کتاب ہے، کہ اس میں دست قدرت نے روحانی اور نورانی تحریر سے ہر چیز کا احاطہ علمی کر رکھا ہے، یہ حقیقت ان دونوں آیتوں کا

اللہ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

قلم قدرت (عقل کل) اور لوح محفوظ (نفس کل) کو ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی قدرت دی گئی ہے۔

زندہ اور حقانیت و صداقت سے بولنے والی کتاب

ماصل ہے :-

وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ ۚ۳ اور ہمارے پاس
ایک ایسی کتاب ہے جو سچ سچ کہہ دیتی ہے۔ وَكُلُّ شَيْءٍ
أَخْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۚ۴ اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں
گھیر رکھا ہے۔ جب یہ ایک لمحہ حقیقت ہے، کہ خدا کی اس
نورانی کتاب میں تمام چیزیں موجود ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں
جو اس کتاب سے باہر ہو، پھر یہ بات لازمی ہے کہ خدا
کی اپنی مخصوص چیزیں بھی اس معجزاتی کتاب میں ہوں، جبکہ
یہ کتاب خدا ہی کی ہے، خدا کی خاص خاص چیزیں کون کونسی
ہیں؟ خدا کی جملہ خوبیاں، یعنی تمام صفات ہیں، جن میں سب سے
پہلے حیات، علم، ارادہ اور قدرت ہے، اس بیان سے جب
یہ حقیقت صاف طور پر ظاہر ہو گئی، کہ خدا کی زندہ اور بولنے
والی کتاب میں اس کی ساری خوبیوں کے نزلے پنہان ہیں،
تو پھر اس حقیقت کے لئے بھی تسلیم کرنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ
کے مقدس نور کے سوا اور کوئی چیز ایسی کتاب نہیں ہو سکتی
ہے، جو پورے دگارِ عالم کی جملہ صفات سے متصف ہو۔

خدا کی اپنی مخصوص چیزیں
ایک معجزاتی و نورانی
کتاب میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقدس
نور میں اس کی ساری
خوبیوں کے نزلے
پنہان ہیں۔

انبیاء و ائمہ علیہم السلام
اللہ تعالیٰ کے نور پاک
کے حامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نور پاک کے حامل صرف انبیاء
و ائمہ علیہم السلام ہی ہیں، جنہیں خدا نے روتے زمین کھے
خلافت و نیابت کے لئے برگزیدہ فرمایا ہے، اور ان حضرات
کی برگزیدگی نقطہ اسی معنی میں ہے کہ رب العزت نے ان
کو اپنے اپنے وقت میں نورِ مطلق کا چرخ قرار دیدیا ہے

انبیاء و ائمه علیہم السلام
نورِ مطلق کے روشن
چراغ ہیں۔

تاکہ ان کی ہدایت و رہنمائی اور علم و حکمت کی ضیا پاشیوں سے
عالم دین تابان و درخشان ہوتا رہے، جیسا کہ قرآن حکیم کی ۳۳
کے ارشاد سے ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اپنے وقت میں خدائی نور کے روشن چورخ تھے۔

یہ ہمارا اپنا عقیدہ اور ایمان ہے کہ خدا کے خلیفہ، قلم
قدرت اور لوح محفوظ کا منظر، کتاب ناطق اور پیغمبرِ آخر زمان
کا نور اور آپ کے جانشین امام مبینؑ ہیں، یعنی امام زمانؑ،
ہماری نزدیک امام مبین کا نظریہ ایک ازلی وابدی حقیقت
ہے، چنانچہ قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ: **وَكُلُّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ**
فِي اِمَامٍ مُّبِينٍ ۳۳ اور ہم نے ہر چیز کو امام ظاہر (کے نور)
میں گھیر کر رکھا ہے۔

نظرِ امام مبین ایک
ازلی وابدی حقیقت
ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام مبین سے لوح محفوظ
مراو ہے، تو میں سوال کروں گا، کہ اچھا حضرت، یہ تو بتائیے
کہ لوح محفوظ کس چیز سے بنی ہے؟ یعنی اس کے وجود کی
کیفیت و حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ قیمتی جواہرات میں سے کسی
جوہر کی ہے؟ کیا وہ عقلی موجودات میں سے ہے یا روحانی
موجودات میں سے؟ وہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک
بات ضرور کرے گا۔

لوح محفوظ کے وجود
کی کیفیت و حقیقت

اگر کہے کہ لوح محفوظ وجودِ عقلی رکھتی ہے، تو اس کا
یہ جواب غلط ہوگا، کیونکہ **«كُلُّ شَيْءٍ»** میں جب عقل، روح
اور جسم تینوں کا ذکر ہے، تو مجرد عقل کی ایسی لوح محفوظ تمام

چیزوں کی حامل کس طرح ہو سکتی ہے، جب تک کہ اس کی ہستی میں روح اور جسم کی شرکت نہ ہو۔

اگر وہ اپنے جواب میں کسی عظیم روح کو لوح محفوظ قرار دے، تو اس صورت میں بھی اس کا جواب درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ عقل اور جسم کے بغیر خالص روح کی لوح محفوظ میں صرف روحانی چیزیں ہی ہو سکتی ہیں، مگر کُل شئیء میں صرف روحانی چیزوں کا ذکر نہیں بلکہ سب چیزوں کا بیان ہے۔

اگر وہ شخص اس طرح جواب دے، کہ لوح محفوظ جواہرات میں سے کسی جوہر کی بنی ہے، اور ایسی لوح محفوظ کی تاویل کا قائل نہ ہو جائے، تو پھر بھی اس کا جواب غلط ہوگا، کیونکہ جواہرات بغیر روح اور بغیر عقل کے ہوتے ہیں، اور خدا کے نزدیک ان کی کوئی کرامت و فضیلت نہیں، پس کوئی جوہر عقلی اور روحانی چیزوں کا حامل کس طرح ہو سکتا ہے۔

اس بیان سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ گئی، کہ امام مبین کے معنی امام ظاہر کے ہیں، جن کی مبارک و مقدس ہستی میں عقل، روح اور درجہ کمال کے انسانی جسم کی شرکت ہے، جس کے سبب سے امام مبین ہر لطیف چیز کے حامل ہیں، اور حقیقت میں لوح محفوظ بھی آپ کی ذات اقدس ہی ہے۔

امام مبین کی مبارک و مقدس ہستی میں عقل، روح اور درجہ کمال کے انسانی جسم کی شرکت ہے۔
لوح محفوظ، امام مبین کی ذات اقدس ہی ہے۔

علم الہی کے سلسلے میں علم غیب کی کچھ وضاحت بھی ضروری ہے، تاکہ نفس مضمون ادھورا نہ رہ جائے، چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ: **عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ**، علم غیب کا جاننے والا وہی ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس کو وہ رسولوں میں سے منتخب کرے۔

یہاں ”علیٰ غیبہ“ کے معنی قابلِ غور ہیں، جس کا مطلب ہے ”اپنے تمام غیب پر“، پس معلوم ہوا، کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام غیب پر کسی برگزیدہ پیغمبر کو بھی مطلع فرماتا ہے۔ علم الہی کے اس موضوع کے سلسلے میں یہاں تک جو کچھ بیان ہوا، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ علم کے باسے میں خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے خاص خاص علوم کے عطیات سے اپنے برگزیدہ بندوں کو سرفراز فرماتا ہے، یہاں تک کہ علم غیب کو بھی اپنے لئے مخصوص نہیں رکھتا، جیسے **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا** (اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی) سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ خدا خود ہی حضرت آدم علیہ السلام کا معلم ہے، اور علم الاسماء کوئی کتابی اور ظاہری علم نہیں، بلکہ یہ غیب ہی کا علم ہے، جس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے ملائکہ بھی نہیں جانتے تھے، پس اللہ نے ابوالبشر کو غیب کا علم عطا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام غیب پر برگزیدہ پیغمبروں کو مطلع فرماتا ہے۔

خداوند تعالیٰ اپنے خاص خاص علوم کے عطیات سے اپنے برگزیدہ بندوں کو سرفراز فرماتا ہے۔

علم الاسماء کوئی کتابی اور ظاہری علم نہیں بلکہ علم غیب ہی ہے۔

علمِ غیب کے بارے میں مزید حقائق کے لئے اس آیتِ کریمہ میں غور کیا جائے: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے بحرِ و بر کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر وہ روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔

اس فرمانِ الہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا علم غیب کتابِ ناطق میں ہے سب چیزوں کی زندہ اور بولتی تصویروں میں کتابِ مبین (بولنے والی کتاب یعنی) نورِ امامت میں موجود ہیں۔

خداوند تعالیٰ کا علم غیب
کتابِ ناطق میں ہے

یاد رہے کہ آسمان و زمین اور ظاہر و باطن کی چیزوں کی پوشیدہ باتوں کا جانتا ہی علمِ غیب کہلاتا ہے، جب ایسا علم ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ اس وقت علمِ غیب نہیں رہتا، بلکہ علمِ ظاہر کہلاتا ہے، مگر اس کی حکمت اور تاویل، جو ظاہر نہیں کی گئی ہو، وہ اب بھی علمِ غیب ہی ہے۔

چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورِ انورؐ کو حکمِ خدا غیب کی کوئی بات بتانے کے بارے میں کنجوسی نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اللہ پاک کا کلامِ حکمت نظام ہے کہ:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۱۶﴾ اور وہ (جبرائیل) غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں۔

کتابِ ناطق یعنی قرآنِ ناطق میں علمِ غیب کا خزانہ
 پہنانے کے بارے میں ارشاد ہے کہ : وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ
 فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۲۷﴾ اور آسمان و
 زمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے مگر وہ بیان کرنے
 والی کتاب میں موجود ہے۔ اس بیان کرنے والی کتاب سے
 نورِ امامت مراد ہے۔

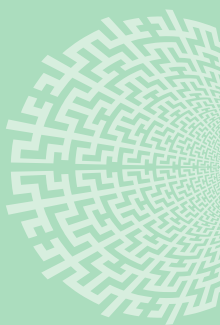
جاننا چاہیے کہ کتابِ ناطق یعنی امامِ مبین کے نور میں
 آسمان و زمین کی تمام چیزوں کی ایسی نورانی تصویریں موجود
 ہیں جو عقل و روح کی رنگینیوں سے حکمِ صَبْغَةَ اللّٰهِ (۱۳۸)
 بھر پور ہیں، اور خدا کے اذن سے ان میں سے ہر تصویر
 کائنات و موجودات کی متعلقہ چیز کی مثال پیش کر سکتی ہے
 اس حقیقت کا نام نورانی تاویل ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ
 اپنے وقت میں کتابِ مبین کی حیثیت سے تھے، وہ اپنے
 باطن کی نورانی مثالوں سے کسی بھی مخفی چیز کا حال بتا سکتے تھے
 چنانچہ انہوں نے ہادی برحق کے علمِ غیب کی طرف توجہ
 دلانے کے لئے قید خانے میں اپنے دونوں ساتھیوں سے
 فرمایا کہ : دیکھو جو کھانا تمہارے پاس آتا رہتا ہے، جو کہ تم کو
 کھانے کے لئے یہاں ملتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے
 ہی اس کی حقیقت (تاویل) بتلا دیا کرتا ہوں یہ بتلا دینا اس
 علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا
 ہے ﴿۱۳۷﴾۔

کتابِ مبین (بیان کرنے
 والی کتاب) = نور
 امامت

نورِ امامِ مبین میں آسمان
 و زمین کی تمام چیزوں کی
 عقل و روح کی رنگینیوں
 سے بھر پور نورانی
 تصویریں موجود ہیں۔

علمِ تاویل دو قسم کا ہوتا ہے، ایک نورانی ہے اور دوسرا
 کتابی، انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے پاس علمِ تاویل نورانی
 صورت میں ہوتا ہے، جس کو علمِ لدنی اور علمِ غیب بھی کہا
 جاتا ہے۔

علمِ تاویل کی دو قسمیں:
 نورانی اور کتابی۔
 علمِ تاویل نورانی ہی علمِ
 لدنی اور علمِ غیب ہے۔



کلید نمبر ۳

ہر گروہ کا قبلہ

قرآن مجید کی ۱۳۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلِكُلِّ وِجْهَةٍ هُوَ مَوْلِيَّهَا ۱۳۸ اس آیت پر حکمت کے لئے ایک سمت مقرر ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں، دوم: اور ہر قوم کے لئے ایک شریعت مقرر ہے جس کی طرف وہ متوجہ رہتی ہے، سوم: اور ہر شخص کے لئے ایک دینی استاد ہے، جس کی طرف وہ رجوع کرتا ہے، چہارم: ہر روحانی طالب کا ایک مطلوب ہوا کرتا ہے، وہ اس کی تلاش میں لگے رہتا ہے، پنجم: ہر دینی درجہ کے لئے ایک اوپر کا درجہ ہوا کرتا ہے، وہ اس کا خواہشمند رہتا ہے، ششم: شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت میں سے ہر منزل کے لئے ایک قبلہ ہوا کرتا ہے، جس کے اہل اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یعنی اہل شریعت کا قبلہ خانہ کعبہ ہے، اہل طریقت کا قبلہ پیر مرشد ہے، اہل حقیقت کا قبلہ پیغمبر اور امام ہیں، اور اہل معرفت کا قبلہ خدا کا نور ہے۔

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت میں سے ہر منزل کا ایک قبلہ

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس ارشادِ مقدس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ: پس تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرتے رہو تم جہاں کہیں ہو گے خدا تم سب کو حاضر کرے گا، بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۳۸

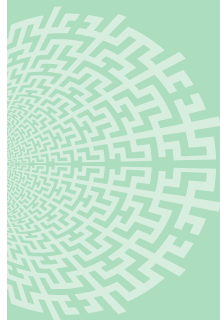
اس آیتِ پاک کی حکمت کے اشکائے نہ صرف ادیانِ عالم کی طرف ہیں، بلکہ افرادِ مذاہب کی طرف بھی ہیں، کہ جس طرح ظاہری قبلہ کے بائے میں گروہوں کے حالات مختلف ہیں، اسی طرح باطنی توجہ کے باب میں بھی افراد کی کیفیت جدا جدا ہے، پس ان مختلف نظریات کو خدا کی توحید کے تصور کی طرف مرکوز کر دینے کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ مسلمین و مؤمنین دوسرے ادیان والوں سے نیکی یعنی اعمالِ صالحہ میں سبقت لے جائیں، اور دنیا بھر میں نیکی کا نمونہ بن جائیں، تاکہ دعوتِ اسلام کی عملی صورت کا رفا ہو سکے، اور اس کے نتیجے میں دنیا والوں کو ضرور احساس ہوگا کہ اسلام خدا کا آخری دین ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ام خدا کے پیسے رسول اور آخری نبی ہیں۔

اجتماعی قبلہ کے بیان میں انفرادی توجہ کا ذکر اس لئے آیا ہے، کہ قرآن حکیم میں جو ہدایت جماعتوں کے لئے آئی ہے اس میں افراد کے لئے بھی ہر قسم کی رہنمائی ہے، چنانچہ یہاں نیکی کا جو راستہ قوم کے لئے مفید ہے، وہ ایک فرد کے لئے بھی مفید ہو سکتا ہے، مثلاً ایک شخص کے دل میں

قرآن حکیم میں جو ہدایت جماعتوں کے لئے آئی ہے اس میں افراد کے لئے بھی ہر قسم کی رہنمائی ہے۔

عبادت کے دوران یکسوئی نہیں رہتی ہے اور اس کو طرح
 طرح کے خیالات پیدا ہونے کا احساس ہوتا ہے، تو وہ قرآن
 حکیم کی اس حکمت کی روشنی میں محسوس کرے، کہ اس میں
 نیکی کا مادہ کم ہو رہا ہے، پھر وہ اپنے آپ میں نیکیوں میں
 سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرے اور عملاً ایسا کر کے
 دیکھے، پھر اس کے دل میں عبادت کی یکجہتی اور روحانی سکون
 پیدا ہوگا۔

نیکیوں میں سبقت لے
 جانے کا جذبہ دل میں
 عبادت کی یکجہتی اور
 روحانی سکون پیدا کرتا
 ہے۔



کلید نمبر ۲

موت کا تجربہ

ہم نے یہاں اس موضوع کو ”موت کا تجربہ“ کے عنوان سے مضمون کیا ہے، لیکن موت کا تجربہ کس نے حاصل کر لیا ہے؟ جبکہ موت کے واقعہ ہو جانے کے ساتھ ساتھ متوفی کے تمام تجربات بھی ختم ہو جاتے ہیں! لیکن ہاں، اموات میں ایک ایسی خصوصی موت بھی ہے، جو روحانیت اور ایقان و عرفان کے مشاہدات و تجربات سے بھرپور اور علم و حکمت کے مغز سے مملو ہے، جس کی حقیقت سے آگہی کیلئے آپ موضوع ذیل کا بغور مطالعہ کریں:

چنانچہ قرآن کریم کی ۱۸۵ میں موت کا کلیتہً اس طرح ارشاد ہوا ہے کہ: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۱۸۵ یعنی ہر نفس کو موت کا مزہ اچکھنا ہے۔

موت کے اس کلیتہً کے بارے میں دو اہم سوال پیدا ہو جاتے ہیں، ایک یہ کہ جب وجود انسانی تین چیزوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقل، نفس اور جسم، تو ان تینوں میں سے صرف نفس ہی کو موت کے واقعہ سے کیوں متعلق کیا گیا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ موت واقع ہونے کی

روحانیت اور ایقان
و عرفان کے مشاہدات
و تجربات سے بھرپور اور
علم و حکمت کے مغز سے
مملو ایک خصوصی موت۔

تشبیہہ کسی چیز کے چکھنے کی طرح کیوں دی گئی ہے؟
 ان میں سے پہلے سوال کا جواب یہ ہے، کہ اگرچہ
 انسان کی ہستی عقل، نفس اور جسم کے مجموعے سے ہے،
 لیکن حقیقت میں عقل موت سے بالاتر ہے، کیونکہ وہ مرقی
 نہیں، جیسے فرشتوں کا حال ہے کہ وہ عقل ہیں اور کبھی نہیں
 مرتے، اس کے برعکس حیوان جو نفس ہے وہ مرجاتا ہے،
 مگر پتھر وغیرہ جو جسم ہے وہ نہیں مرنے، اس سے معلوم ہوا،
 کہ موت کا براہ راست تعلق نفس کے ساتھ ہے، مگر جسم
 پر براہ راست موت واقع نہیں ہوتی، بلکہ نفس کے واسطے سے
 ہوتی ہے، یعنی جسم کا جینا اور مرنا نفس ہی کے ذریعے سے
 ہے، پس یہی وجہ ہے جو قرآن حکیم نے اس کلمہ میں موت
 کو صرف نفس ہی سے متعلق کر دیا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ موت کی مثال
 کسی مادی چیز کے چکھنے سے اس لئے دی گئی ہے، کہ
 وہ فی الواقع روحانی نوعیت کا ایک مزہ ہے، جو زیادہ سے
 زیادہ شیرین بھی ہے اور انتہائی درجے کا تلخ بھی، اس
 جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے، کہ قرآن حکیم نے موت کا تصور
 کسی چیز کے چکھنے کی طرح اس لئے پیش کیا ہے، کہ خصوصی
 موت اہل معرفت کے نزدیک روحانی واقعات اور علمی و
 عرفانی تجربات کی حامل ہے، جو بموجب: "مَوْتُوَأَقْبَلِ اَنْ
 تَمَوْتُوَا" طبعی موت سے پہلے ہی عبادت و ریاضت کے

عقل موت سے بالاتر
 ہے۔

فرشتے عقل ہیں اور وہ
 کبھی نہیں مرتے۔

موت کا براہ راست تعلق
 نفس کے ساتھ ہے۔

موت روحانی نوعیت
 کا ایک مزہ ہے۔

نفسانی موت، عبادت
 و ریاضت کے ذریعے
 بغرض معرفت قبول کی
 جاتی ہے۔

نفسانی موت میں روحانی سکون اور ابدی نجات کے اسرار پنہان ہیں۔

ذریعہ قبول کر لی جاتی ہے، جس کا مقصد معرفت ہے، جس میں روحانی سکون اور ابدی نجات کے اسرار پوشیدہ ہیں، پس نفسانی موت کے عنوان کے تحت حقائق و معارف کے جو معجزات سامنے آتے ہیں، ان کے لحاظ سے یہ حقیقت ہے، کہ موت کی مثال کسی چیز کو چمک کر اس کے ذائقہ کا تجربہ حاصل کرنے سے دی جائے۔

نفسانی موت، جو ہادی برحق کی ہدایات کی روشنی میں مخصوص عبادت و ریاضت اور نفس کشی کرنے سے واقع ہوتی ہے، روحانی واقعات و تجربات کا عنوان اس معنی میں ہے، کہ اس سے معرفت ذات کے جملہ ابواب کھل جاتے ہیں، اور اسی طرح یہ اختیاری موت روح اور روحانیت کے حقائق و معارف اور اسرارِ خدا شناسی کے حصول کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

عام اور اضطراری موت سے پہلے انسان پر ایک خاص اور اختیاری یا کہ تجرباتی موت واقع ہونے کے باوجود قرآن کریم کے بہت سے حکیمانہ اشارات موجود ہیں، جن کی ایک مثال یہ ہے، کہ انسان کے وجود میں نفس یا کہ جان ایک نہیں، بلکہ بے شمار جانیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت ہی عجیب قدرت ہے، کہ انسان کے دل و دماغ کے علاوہ اس کا خلیہ خلیہ ریحوں کا مسکن ہے، اور ان لاتعداد ریحوں کی وحدت انسان کی ”انا“ ہے۔

اختیاری موت (نفسانی موت) سے معرفت ذات کے جملہ ابواب مفتوح ہو جاتے ہیں۔

وجود انسانی میں ایک نہیں بلکہ بے شمار جانیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی انتہائی عجیب ہے، کہ مختلف موقعوں پر انسانی وجود کے یہ نفوس قبض ہوتے جاتے ہیں، یعنی فرد اُنکل جاتے ہیں، اور دوسری طرف سے نفوس کے داخل ہونے کا سلسلہ بھی جاری ہے، یا یوں کہنا چاہئے، کہ انسان جیتے جی ایک طرف سے مرتا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف سے زندہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا بھی آتا ہے، کہ اس میں وہ پوری طرح سے مرجاتا ہے۔

مذکورہ بالا موت کو جزوی موت کے نام سے یاد کرنا چاہئے، اسی جزوی موت کی بدولت ہر وقت انسانی نفس اور شخصیت کی اصلاح و تجدید اور تعمیر نو ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ چالیس دن کے بعد انسان کے نفس اور جسم کا کوئی پُرانا ذرہ باقی نہیں رہتا، اس حساب سے وہ ہر سال اپنی ہی جگہ پر نو دفعہ پرانے جسم سے نئے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی و بقاء گویا روح و نفوس کی ایک ندی ہے، جو ملکوت کے پہاڑوں اور ناسوت کی گھاٹیوں سے آتی ہے اور ہر وقت بہتی رہتی ہے، مگر یہ بات ہے کہ یہ ندی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتی ہے، بعض اوقات صاف و شفاف بہتی ہے اور گاہے بگاہے مکدر بھی ہو جاتی ہے۔

انسانی وجود سے مختلف موقعوں پر نفوس کا قبض ہونا اور دوسری طرف سے نفوس کا داخل ہونا۔

جزوی موت کی بدولت انسانی نفس اور شخصیت کی اصلاح و تجدید اور تعمیر نو۔

انسان ہر سال نو دفعہ اپنی ہی جگہ پر پرانے جسم سے نئے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر مجھے حضرت پیر ناصر خسرو قدس اللہ سرہ
 کا ایک شعر یاد آیا، آپ اپنی کتاب روشنائی نامہ میں فرماتے ہیں کہ:
 زدنیَا تا بعقبی نیت بسیار
 ولی در رہ وجود تست دیوار
 یعنی دنیا اور آخرت کے درمیان کچھ زیادہ مسافت تو نہیں،
 لیکن تیری ہستی ان دونوں کے درمیان دیوار بنی ہے،
 اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب خاص عبادت اور سخت ریاضت
 سے کسی حقیقی مومن پر اختیاری موت آئے گی، اس وقت اس
 کی ہستی کی یہ دیوار درمیان سے ہٹائی جائے گی، اور اس صورت
 میں اس کو قیامت و روحانیت کے واقعات کا تجربہ کرایا
 جائے گا۔

اختیاری موت میں حقیقی
 مومن کی ہستی کی دیوار
 درمیان سے ہٹا کر اسے
 قیامت و روحانیت کے
 واقعات کا تجربہ کرایا جاتا
 ہے۔

نفسِ امارہ ہی دنیا اور
 آخرت کے درمیان
 دیوار اور پردہ ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ! پیر صاحب کی یہ پُرھکت مثال
 اور یہ ارشاد کہ تمہارا اپنا نفسِ امارہ ہی دنیا اور آخرت کے
 درمیان دیوار اور پردہ بنا ہوا ہے، جب تم ہادی برحق کے
 مقدس امر و فرمان کے مطابق خصوصی عبادت و ریاضت
 اور تزکیہ نفس کے امتحان میں کامیاب ہو جاؤ گے، تو اس
 وقت تمہاری ہستی و خودی کی کثیف و مکدر دیوار سامنے سے
 ہٹا دی جائیگی یا صاف شیشے کی بنا دی جائیگی یا اسمیں دروازہ
 بنے گا، پھر تمہیں اس حال میں نہ صرف موت ہی کے عجائبات
 کا تجربہ حاصل ہوگا بلکہ علمِ قیامت و روحانیت اور معرفت
 الہی کے خزانوں کے ابواب بھی ہمیشہ کے لئے کشادہ رہیں گے

اب رہا یہ سوال، کہ آیا موت کے اس کلیتہ سے کوئی نفس مستثنا بھی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب خود اس کلیتہ میں موجود ہے، کہ کوئی نفس یعنی کوئی فرد بشر موت کے اس قانون سے باہر نہیں جاسکتا، جبکہ اختیاری موت کے بغیر روحانیت کا کوئی دروازہ نہیں کھل سکتا، جبکہ قرآنی ارشاد کے مطابق نیند میں بھی ایک قسم کی موت پوشیدہ ہے (۳۹) اور جبکہ جسمانی موت مومن کی مکمل روحانی آزادی ہے پھر آپ خود اندازہ کریں، کہ حقیقی مومنوں کے لئے موت کس قدر ضروری ہے، پس معلوم ہوا کہ موت عالم روحانیت کا دروازہ ہے، جس سے داخل ہونے بغیر نہ روحانی ترقی ممکن ہے اور نہ بہشت جاودانی میسر ہو سکتی ہے۔

اختیاری موت کے بغیر
روحانیت کا کوئی باب
مفتوح نہیں ہو سکتا
نیند میں بھی ایک قسم
کی موت پنہان ہے۔

موت عالم روحانیت
کا دروازہ ہے۔

کلید نمبر ۵

ہر چیز سے روحانی ملاقات

قرآن حکیم کے آٹھویں پارے کا سہ نامہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ: اور اگر ہم اُن پر فرشتے نازل کر دیتے اور مردے ان سے گفتگو کرتے اور سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے سولے اس کے کہ اللہ کو منظور ہوتا لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں۔ ۳۳

قرآن حکیم انسان کے سامنے صرف انہی چیزوں کے تصورات پیش کرتا ہے جو انسان کے لئے ممکنات میں سے ہیں۔

آپ حکمت کے اس اصول کو بھی ہمیشہ کے لئے یاد رکھیں، کہ قرآن حکیم انسان کے سامنے صرف انہی چیزوں کے تصورات پیش کرتا ہے، جو انسان کے لئے ممکنات میں سے ہیں، کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اور اس میں انتہائی صداقت اور عدل کا سرمایہ موجود ہے، چنانچہ اگر فرشتوں، مردوں اور تمام چیزوں کی روحوں سے انسان کی روحانی ملاقات اور گفتگو ناممکن ہوتی، اور اللہ تعالیٰ نے کسی وقت میں بھی مومنوں اور کافروں سے واقعاً ایسے معجزات کا امتحان نہ لیا ہوتا، تو اندر ان حال اس معجزہ کے تذکرے میں (نعوذ باللہ) نہ صداقت ہوتی، اور

نہ عدل، پس ظاہر ہوا، کہ مذکورہ کلمہ میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ ایک عملی حقیقت ہے، اور حقیقی مومنوں کے نزدیک کشفِ روحانیت اسی واقعہ کا نام ہے، البتہ خدا کی مصلحت سے بعض دفعہ کافروں پر بھی یہ معجزہ واقع ہوتا ہے، جس کا نام وہاں نزولِ عذاب ہے۔

جو حقیقی مومنین علم الیقین کی مدد سے روحانی ترقی کر کے عین الیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں روحیات کی ان حقیقتوں پر باور کرنا پڑے گا، کہ روح ظاہری اور مادی چیزوں کے برعکس ایک معجزاتی جوہر ہے، وہ عالم امر کے عجائبات میں سے ہے، جہاں ارادہ ”کن“ سے ہر شے نکلنے میں آتی ہے، اس لئے روح میں تمام علمی عجائبات پیش کرنے کی خاصیت موجود ہے، یہ ایک یقینی حقیقت ہے، کہ ہر خدا رسیدہ مومن کی روح کائنات و موجودات کی روحانی صورت اختیار کر کے قیامِ قیامت اور عالمِ آخرت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے، ایسی حالت میں انسان اپنے آپ کو روحوں کے ایک طوفانِ خیز سمندر کے درمیان پاتا ہے، جو فرشتوں، مردوں، زندوں، یا جوج و ماجوج اور تمام چیزوں کی روحوں کے عنوان سے پیش آتی ہیں، یہاں تک کہ اس میں بیجان چیزوں کی روحیں بھی ہوتی ہیں، مگر یہ بات ضرور یاد رہے کہ روحانیت کے ایسے اعلیٰ تجربات حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

فرشتوں، مردوں اور تمام چیزوں کی روحوں سے روحانی ملاقات۔

روح ایک معجزاتی جوہر ہے جو عالم امر کے عجائبات میں سے ہے۔

ہر خدا رسیدہ مومن کی روح کائنات و موجودات کی روحانی صورت اختیار کر کے قیامِ قیامت اور عالمِ آخرت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے۔

اگر یہاں یہ سوال ہو، کہ مومن کی روح اتنا بڑا کام کس طرح انجام دے سکتی ہے؟ اس کا جواب میرے پاس صرف ایک ہی جملے میں ہے، کہ مومن کی روح امامِ حجتی و حاضر کی حقیقی فرمانبرداری سے یہ عظیم کام مکمل کر سکتی ہے۔

پھر اگر سوال کیا جائے، کہ نورِ امامت، روح القدس اور مومن کی روح ان تینوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام عالی مقام علیہ السلام کے نور سے روح القدس جدا نہیں، اور نہ مومن کی روح بغیر روح القدس کے کوئی بڑا کام کر سکتی ہے، ان تینوں روحانی حقیقتوں کے باہمی تعلق کی مثال سوُج، سمند اور ندی کی طرح ہے، یعنی نورِ امامت سوُج ہے، روح القدس سمند اور مومن کی روح ندی ہے، ندی کا پانی کہاں سے آتا ہے؟ پہاڑوں سے جو برف اور بارش کا حاصل ہے، برف و بارش کا ذریعہ کیا ہے؟ بادل ہیں، جو سمند سے پیدا ہوتے ہیں، سمند سے بادل کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ سوُج کی گرمی کے سبب سے۔

ندی کا پانی کم بھی ہو سکتا ہے اور اس کے زیادہ ہونے کا بھی امکان ہے، اس میں کمی اس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ سوُج کا نور اس کے پہاڑوں سے دور ہو، یا بغیر بارش کے بادلوں کے سائے پڑے رہیں، اسی طرح مومن کی روح میں کمی پیشی ہوتی رہتی ہے، جو نورِ امامت سے دوری و نزدیکی کے سبب سے ہے۔

نورِ امامت، روح القدس اور روح مومن کے باہمی تعلق کی ایک مثال۔

جب سورج نزدیک آتا ہے اور آسمان صاف ہو جاتا ہے تو جگہ جگہ ندی پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں، اور اس کے پانی میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے، تاہم یہ سورج کا کوئی بڑا کرشمہ نہیں، ندی کو سورج کا ایک بڑا کرشمہ وہاں نظر آئے گا، جہاں یہ دریا کے ساتھ مل کر سمندر کی وحدت میں مدغم ہو جاتی ہے، کہ کس ہمہ گیر طریق پر بے پناہ سمندر سورج کی حرارت کی گرفت میں ہے، اور سمندر کا ایک عظیم حصہ، جو ساری دنیا کو سیراب کر کے فاضل دریاؤں کی صورت میں واپس بھی ہو، کس طرح بخارات اور بادلوں کی شکل میں آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹتا رہتا ہے۔

چنانچہ ہر حقیقی مومن کی روح کسی نہ کسی درجے میں امام زمانہ کا نورانی دیدار تو کر سکتی ہے، اور اس کی روحانیت میں ترقی بھی ہو سکتی ہے، مگر یہ کوئی بڑا دیدار اور کوئی عظیم معجزہ تو نہیں، ہاں، عظیم معجزہ اس مقام پر ہے، جہاں مومن کی روح پیروں اور بزرگوں کے علمی دریا پر سوار ہو کر روح القدس کے سمندر میں مل جاتی ہے، اس مقام کے بے شمار معجزات میں سے ایک یہ ہے، کہ ہادی برحق کا نور روح القدس کے سمندر سے بے شمار ہدایتی روحوں اطراف عالم میں بھیجا رہتا ہے، اور ہر گروہ، ہر طبقہ، ہر درجہ اور ہر فرد کی بدیہی اور فکری ہدایت اسی نہج پر ہوتی رہتی ہے، امام عالی صفات کے نور اقدس کو اس بات کی کوئی پرواہ ہی نہیں، کہ کوئی گروہ یا کوئی

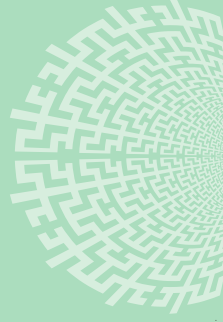
ہر حقیقی مومن کی روح
کسی نہ کسی درجے میں
امام زمانہ کا نورانی
دیدار کر سکتی ہے۔

ہادی برحق کا نور روح
القدس کے سمندر سے
بے شمار ہدایتی روحوں
اطراف عالم میں بھیجتا
رہتا ہے۔

فرد اس کی عالمگیر ہدایت کا اقرار کرتا ہے یا نہیں، ہاں اس میں یہ فرق ضرور ہے، کہ ہدایت حسب مراتب معرفت اور بمطابق ضرورت ہوا کرتی ہے، یا لیوں کہنا چاہتے، کہ اس میں قبول ہدایت کی استطاعت لازمی شرط ہے۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے، کہ تمام معجزات کا سرچشمہ روح قدسی ہے جو ہادی برحق کے نور کے زیر اثر ہے، ہر معجزے کا نتیجہ دو طرح سے نکلتا ہے، یعنی اس میں روحوں کی آبادی بھی ہے اور بربادی بھی، اگر کوئی حقیقی مومن فرمانبرداری، عبادت، ریاضت اور علم الیقین سے اپنے آپ کو معجزات برداشت کرنے کے قابل بناتا ہے، اور تدریجی معجزات میں آگے سے آگے بڑھتا جاتا ہے، تو اس کے لئے رحمت ہی رحمت ہے، اگر ایسا نہیں، بلکہ لیک ایک کوئی بڑا معجزہ کسی انسان کے سامنے آتا ہے تو یہ باعثِ ہلاکت ہے، ماسوائے اس کے کہ امامِ وقت ایسے حال میں بھی دستگیری کریں۔

تمام معجزات کا سرچشمہ
روح قدسی ہے جو
ہادی برحق کے زیر اثر
ہے۔



کلید نمبر ۶

انس اور جنی شیاطین

سورۃ النعام کی ایک سو بار ہوں آیت میں انبیاء کے بارے میں ایک کلمہ مذکور ہے کہ: اور اسی طرح ہم نے انس اور جنی شیاطین کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا وہ فریب دینے کی غرض سے چکنی چپڑی باتیں (روحانی طریق پر) ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں۔ ۱۱۶

اس ارشادِ الہی سے اول تیسلم ظاہر ہے، کہ شیاطین دو قسم کے ہوتے ہیں، پہلی قسم کے شیاطین انسانوں میں سے ہیں اور دوسری قسم کے شیاطین جنات میں سے، جو شیاطین انسانوں میں سے ہیں، ان کے متعلق عام طور پر یہ پتہ نہیں لگتا، کہ وہ واقعی شیاطین ہیں، کیونکہ وہ بظاہر کچھ عجیب شکل و صورت تو نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنی ظاہریت میں بالکل دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہیں، لیکن وہ حقیقت کی نظر میں انس شیاطین ہیں، مگر یہ ضروری نہیں، کہ وہ خود کو پہچانتے بھی ہوں، کہ وہ ابلیس کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔

جو شیاطین جنات میں سے ہیں، وہ خاص خاص

شیاطین کی دو قسمیں:
انس شیاطین اور جنی
شیاطین۔

شیاطینِ جنی لطیف جسم
کے لباس میں ملبوس ہیں

انبیاء و ائمہ کے ویسے
سے رشد و ہدایت، اور
انسی و جنی شیاطین کے
توسط سے ضلالت و
گمراہی کے سارے وسائل
مہیا ہیں۔

پیغمبرؐ اور امام برحقؑ کے
ساتھ ساتھ حجت اور پیر
بھی روحانی طور پر ایک
دوسرے سے مخاطبہ کر
سکتے ہیں۔

حالات کے سوا ہمیشہ ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے
ہیں، کیونکہ وہ ایسے لطیف جسم کے لباس میں ملبوس ہیں
کہ وہ نظر ہی نہیں آتا، مگر جب خدا کی مصلحت ہو۔

اس فرمانِ الہی کی دوسری تعلیم یہ ہے، کہ خدا
علیم و حکیم کی مصلحت و حکمت اسی امر میں پنہان تھی، کہ
انسی اور جنی شیاطین کو نہ صرف ہر پیغمبر کا دشمن بنائے بلکہ
اس طاعنوتی گروہ کو ہر امام کے ساتھ بھی عداوت ہو، تاکہ
بنی آدم کی اس امتحانگاہِ عمل میں ایک طرف ہمیشہ کے لئے
رشد و ہدایت کے تمام وسائل مہیا رہیں، اور دوسری
طرف اس کے مقابلے میں ضلالت و گمراہی کے سارے
اسباب مکمل ہوں۔

اس کلیۃً حکمتِ آگین کی تیسری تعلیم یہ ہے، کہ خیر و
شر کی اس دائمی جنگ میں، جو دورِ آدم سے قیامِ قیامت
تک جاری و ساری ہے، جس طرح حق و باطل کا مقابلہ
ہوتا رہتا ہے، اس میں نہ صرف شیاطینِ انسی و جنی ہی کو یہ
موقع دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں بدی پھیلانے کی غرض سے
روحانی طریق پر ایک دوسرے کے دل میں چینی چوڑھی
باتیں ڈال سکیں، بلکہ پیغمبرؐ اور امام برحقؑ کے علاوہ حجتِ اولیٰ
پر جیسے مراتبِ عالیہ کو بھی اس بات کی امکانیت حاصل
ہے، کہ وہ بھی روحانی طور پر ایک دوسرے سے مخاطبہ کر
کے روحانی طاقت اور نیکی کا ذریعہ بنائیں، اس بارے

میں کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:-

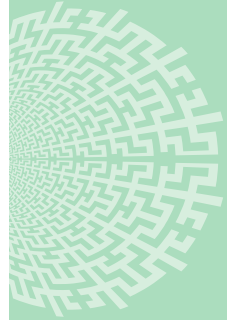
از دل حجّت بحضرت رہ بُود

او بتائید دلش آگہ بُود

یعنی حجّت اور پیر کے دل سے حضرت امام کی ذاتِ

اقدس تک روحانی راستہ ہے، اور امام زمانؑ ان کے

دل میں تائب و ہدایت القا کرنے سے غافل نہیں۔



کلید نمبر آسمانی کتاب میں ہر چیز کی تفصیل

سورۃ النعام کے انیسویں رکوع کے اخیر میں
حق سبحانہ کا ارشاد ہے کہ: پھر ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب
عنایت کی جن میں کوکاروں کے لئے (ہر طرح سے) مکمل
تھی اور ہر چیز کی تفصیل تھی اور ہدایت و رحمت تھی تاکہ
وہ اپنے پروردگار کے دیدار پر ایمان لائیں۔ ۱۵۴۔

اس ارشادِ الہی سے یہ حقیقت واضح اور روشن ہو
جاتی ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آسمانی کتاب (توریت)
میں اُس دور کے نیکوکاروں کے لئے دینی اور دنیاوی ہدایت
کی کوئی کمی نہیں تھی، اس میں ہر چیز کا تفصیلی ذکر موجود
تھا اور ہر قسم کی ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ ان تمام
چیزوں کے نتیجے میں اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کریں۔
اب یہ اہل دانش کے لئے غور و فکر کا مقام
ہے، کہ توریت کے مکمل و مفصل ہونے اور اس میں ہر قسم
کی ہدایت و رحمت ہونے کے فوائد صرف نیکوکاروں کیلئے
کس طرح مخصوص ہو سکتے ہیں، بجز اس کے کہ وہ حکمت اور
تاویل کے بے پایاں خزانے کی حیثیت رکھتی ہو، کیونکہ اگر

توریت اُس دور کے
نیکوکاروں کے لئے دینی
اور دنیاوی ہدایت اور
رحمت کا سرچشمہ تھی۔

اس میں حکمت و تاویل نہ ہوتی، تو وہ عوام و خواص کے لئے یکساں ہوتی، پس ظاہر ہوا کہ توریت حکمت و تاویل کی صورت میں مکمل، مفصل اور ہدایت و رحمت سے بھر پور تھی، اور یہ بات صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ خدا کی کتاب کے ساتھ ساتھ خدا کی طرف سے معلم بھی مقرر ہو، چنانچہ توریت کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی، کہ اس کی زندہ روح حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات شریفی میں موجود تھی، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وزیر اور اس زمانے کے امام تھے۔

توریت کی زندہ روح حضرت موسیٰ کے وزیر اور اس زمانے کے امام حضرت ہارون کی ذات شریفی میں موجود تھی۔

اب اس حقیقت کا کوئی واضح ثبوت چاہتے، کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے وزیر تھے، اس لئے توریت کی مقدس روح یعنی زندہ حکمتیں اور بولتی تاویلیں حضرت ہارون علیہ السلام کی روحانیت میں پوشیدہ تھیں، وہ ثبوت قرآن پاک کے اس ارشاد مبارک میں ہے کہ :

توریت کی مقدس روح زندہ حکمتوں اور بولتی تاویلوں کی صورت میں حضرت ہارون کی روحانیت میں پوشیدہ تھی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ
 أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا ۚ ۲۵ بہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو ان کا وزیر بنا دیا تھا۔

اس فرمانِ خداوندی سے یہ حقیقت عیان ہوتی ہے، کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے کسی اور کام میں وزیر ہو یا نہ ہو، مگر سب سے پہلے اور سب سے ضروری طور پر

توریت کی روحانی ہدایت اور حکمت و تاویل کے معاملے میں وزیر تھے، کیونکہ آریہ مبارکہ کے صورتی و معنوی ربط میں کتاب کے ساتھ ساتھ وزیر کا ذکر آیا ہے، اور وزیر کے معنی بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، اس ربط اور اس مناسبت کی دلیل سے توریت کی تنزیل و تاویل کا بار گران حضرت ہارون علیہ السلام اٹھا ہے تھے، چونکہ ہر آسمانی کتاب فی الاصل ایک زندہ اور بولنے والی روح کی حیثیت سے ہوتی ہے، بالفاظ دیگر یہ ایک نور ہوتا ہے، پس یہ روح یا کہ نور جو حضرت موسیٰ کے زمانے میں توریت کے اسم سے موسوم تھا، حضرت ہارون علیہ السلام کے باطن میں پوشیدہ تھا۔

جب یہ مانا گیا کہ توریت صرف وہی نہیں تھی، جو ظاہری تحریر کی صورت میں خاموش تھی، بلکہ توریت وہ بھی تھی جو حضرت ہارون کی نورانیت، روحانیت اور جسمانیت میں زندہ اور گویندہ تھی، پس یقین کرنا چاہئے، کہ انہی معنوں میں ارشاد ہوا ہے جو اس موضوع کے آغاز میں درج ہے کہ: پھر ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت کی جو نیکو کاروں کے لئے (بہر طرح سے) مکمل تھی اور ہر چیز کی تفصیل تھی اور ہدایت و رحمت تھی تاکہ اپنے پڑر دگار کے دیدار پر ایمان لائیں ۱۵۴۔

پھر اس کے بعد انہی حقائق سے مربوط ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :-

توریت کی تنزیل و تاویل کا بوجھ حضرت ہارونؑ اٹھا ہے تھے۔

توریت کی دو صورتیں:
ایک ظاہری تحریر کی صورت میں خاموش اور دوسری حضرت ہارونؑ کی نورانیت، روحانیت اور جسمانیت میں زندہ و گویندہ۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبْرَكًا فَاتَّبِعُوهُ
وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٥٥﴾ اور یہ کتاب
(قرآن) جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی (کتاب) ہے
تو تم اس کی پیروی کرو اور متقی بنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
چنانچہ ”برکت والی کتاب“ کے معنی میں پھر وہی

تمام حقیقتیں موجود ہیں جو اوپر تورات کے بارے میں بیان
ہوئی ہیں، یعنی قرآن حکیم میں علم و حکمت اور رشد و ہدایت
کی فراوانی اور خیر و برکت کی کثرت اس طرح سے ہے کہ یہ
تتمیز و تاویل کی حکمتوں سے بھرپور اور صلاح و فلاح سے
مملو ہے، اور ہادی برحق کے نورِ اقدس میں اس کے زندہ
حقائق و معارف موجود اور محفوظ ہیں، یہ پاک کتاب اسی
صورت میں ”تَجِيَانًا تَكْلِمًا“ (۱۸۹) یعنی تمام
چیزوں کا بیان کرنے والی ہے، پس معلوم ہونا چاہئے کہ آسمانی
کتاب حقیقی معنیٰ میں ہر چیز کا بیان کرنے والی
ہے۔

قرآن حکیم کے زندہ حقائق
و معارف ہادی برحق کے
نورِ اقدس میں موجود و
محفوظ ہیں۔

کلید نمبر ہر شخص کی شناخت

امامیہ کتب میں آنحضرت صلعم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشاد کے حوالے سے مذکور ہے کہ :-
 وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ
 (پہ) کا مطلب یہ ہے کہ معرفت کی بندلیوں پر ایسے مرد
 ہوں گے، جو سارے لوگوں کو ان کی پیشانیوں سے پہچان
 لیں گے، وہ مرد جو اعرف کی بندلیوں پر ہوں گے، حضرت
 مولانا مرتضیٰ علیؒ اور آپ کے فرزندوں میں سے اوصیاء
 یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں (ملاحظہ ہو کتاب دعائم
 الاسلام جزء اول عمری صفحہ ۲۵)۔

قیامت کے روز ہر
 زمانے کا امام اپنے وقت
 کے ان تمام لوگوں کو جو
 دنیا میں اُس کو پہچانتے
 تھے، ان کے چہروں کی
 نورانیت سے پہچان
 لے گا۔

جب یہ ایک قرآنی حقیقت ہے، کہ قیامت کے
 روز ہر زمانے کا امام اپنے وقت کے ان تمام لوگوں کو انکے
 چہروں کی نورانیت سے پہچان لے گا جو دنیا میں اس کو
 پہچانتے تھے، تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسیلہ
 رحمت و ہدایت کا یہ قانون، یعنی دنیا والوں کے درمیان امام
 کا حاضر ہونا، نہ صرف پیغمبرِ آخر زمان کے دور کے لئے مقرر
 ہے، بلکہ شفاعت و نجات کا یہ ذریعہ جسد انبیاء کے ادوار

ہر زمانے کے لوگوں کے درمیان امام وقت حاضر اور موجود ہوتا ہے۔

کے لئے یکساں ہے، پس اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں کے درمیان امام وقت حاضر اور موجود ہوتا ہے، چنانچہ آیتِ درج ذیل سے اس حقیقت کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ يَوْمَئِذٍ هُمْ بِرُؤْسِهِمْ
ہم ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔
یعنی قیامت کے روز امام زمانہ کے بغیر لوگوں کے حق میں شہادت، عدالت، شفاعت اور نجات ممکن نہیں، پس معلوم ہوا، کہ آغازِ عالم سے حضرت آدمؑ تک، حضرت آدم سے حضرت خاتم الانبیاء تک اور آنحضرتؐ سے قیامت تک امامت کا پالک سلسلہ قائم و دائم ہے۔

روز قیامت امام زمانہ کے بغیر لوگوں کے حق میں شہادت، عدالت، شفاعت اور نجات ممکن نہیں۔

”يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ“ کے یہ معنی بھی درست ہیں کہ خدا قیامت کے دن لوگوں کو ان کے امام وقت کے ذریعے سے بلائے گا، کیونکہ اُنْتُمْ هُدَاةٌ لِّعِبَادِكُم بِالْحَقِّ
خدا اور لوگوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں، یعنی خدا کا ہر کام جو امر و فرمان اور ہدایت سے متعلق ہو وہ صاحبِ امر کے توسط سے انجام پاتا ہے اور لوگوں کا ہر کام جو خدا کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے بارے میں ہے وہ امام کے ذریعے سے مکمل ہوتا ہے۔

خدا قیامت کے دن لوگوں کو ان کے امام وقت کے ذریعے سے بلائے گا۔

آیہ اعراف کی تفسیر و تاویل کے ذیل میں جو حقیقتیں سامنے آئیں، اُن سے ظاہر ہے، کہ امام شناسی ہی سے دونوں جہان کی سعادت مندی اور ابدی نجات کے دروازے

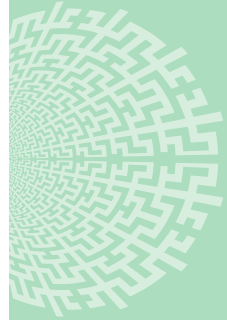
کھل سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:-
 اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاَسْتَكْبَرُوْا
 عَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ
 الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ بِحَمَلِهِمْ
 جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر
 کیا ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے
 اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ
 سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔ جانا چاہتے کہ خدا
 کی آیات معجزات کے معنی میں بھی اور نشانیوں کے معنی میں
 بھی ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں، اور جو لوگ ان حضرات
 کو نہیں پہچانتے وہ ان سے تکبر کرتے ہیں، اور لفظ
 ”استکبر“ میں دو متضاد معنی پوشیدہ ہیں، یعنی خود کو
 بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا اور ان دونوں کا موقع استعمال
 ہمجنسیت کا مقام ہے، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آسمانی
 کتاب اور آفاقی آیات کی نسبت سے تکبر نہیں ہو سکتا،
 بلکہ لوگوں کو اپنے ہم جنس انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے
 بائے میں تکبر ہونا رہا ہے، اور ابلیس نے جو تکبر
 کیا وہ بھی ایک انسان تھا، جو علم میں مرتبہ فرشتگی پر
 فائز ہو چکا تھا، اس نے اپنے ہم جنس بشر حضرت آدم علیہ
 السلام کو حقیر سمجھا اور خود کو بزرگ قرار دیا۔
 اس کے علاوہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں ارشاد

آیاتِ خدا ائمہ اطہار
 علیہم السلام ہیں۔

ابلیس ایک انسان تھا
 جو علم میں مرتبہ فرشتگی
 پر فائز تھا۔

ہوا ہے، کہ فرشتے اپنے پروردگار کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے ہیں، اس کی تاویل یہ ہے کہ مومنین جو عالم معرفت کے فرشتے ہیں امام وقت کی فرمانبرداری سے، جو خدا کی عبادت ہے، سزا نہیں کرتے، کیونکہ امام زمان خدا کا سب سے بڑا نام ہے اور اس کی فرمانبرداری تاویلی زبان میں عبادت ہے۔

امام زمان خدا کا اسم
بزرگ اور اس کی
اطاعت تاویلی زبان
میں عبادت ہے۔



کلید نمبر ۹

ہر چیز کی مقدار

سورۃ رعد کے دوسرے رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا ہے کہ: **وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ** (۱۳) اور ہر چیز خدا کے نزدیک ایک مقدار میں ہے۔ اس کلمہ کا یہ مطلب ہوا، کہ اگرچہ زمان و مکان کی بعض چیزیں انسان کو غیر محدود اور لا انتہا نظر آتی ہیں، مثلاً زمانہ اور کائنات، لیکن خدا کے نزدیک ہر چیز محدود اور ایک مقررہ مقدار میں ہے، ہر چیز کے دورِ جدید کے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ کائنات، جس میں لاتعداد سیاروں اور ستاروں کی دنیا میں موجود ہیں، بے پایاں اور غیر محدود ہے، مگر کلمہ مذکورہ بالا کا ارشاد ہے کہ یہ عظیم کائنات بھی اسکی عظمت و وسعت کے باوجود قانونِ قدرت کی ایک معین مقدار کے مطابق ہے، اور زمانہ بھی اپنی بے پناہ طوالت کے باوصف ایک محدود مقدار میں ہے۔

ہر چیز جتنی کہ زمان
و مکان بھی ایک محدود
مقدار میں ہے۔

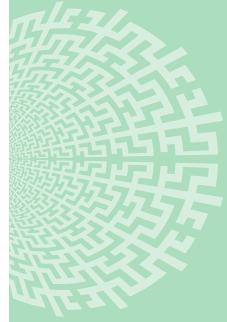
چنانچہ اگر کوئی دانشمند اس کتاب کا چشم بصیرت سے مطالعہ کرے تو اس کے ہر کلمہ سے صاف طور پر

ظاہر ہوگا، کہ اس میں جتنے کلیات درج ہوئے ہیں، وہ سب کے سب ایک دوسرے کی حقیقت پر دلیل ہیں، اسی طرح ان سب سے مذکورہ بالا حقیقت کی بھی تصدیق و توثیق ہوتی ہے، کہ ہر چیز خدا کے نزدیک ایک معین مقدار میں ہے یعنی ہر چیز خدا کے نزدیک محدود ہے جیسا کہ کلید - ۱۔ میں ذکر ہوا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، پھر اس کے معنی یہ ہونے کہ خدا کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے اور ہر چیز خدا کی قدرت میں محدود ہے، یہی مثال خدا کے علم کی بھی ہے جہاں امام مبین کے نور میں ہر چیز کے محدود ہونے کا ذکر ہوا ہے۔

اگر ہر چیز خدا کے نزدیک ایک معین مقدار میں ہے، تو جاننا چاہئے، کہ یہ حقیقت بھی امام مبین کے احاطہ نور اور دائرہ علمی سے باہر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو امام مبین کی ذات اقدس میں محدود اور محصور کر دیا ہے۔

اس حقیقت کے بعد یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اگرچہ ہر چیز اپنی جگہ پر محدود اور ایک مقررہ مقدار میں ہے، تاہم وہ فنا و بقا یا کہ تغیر و تبدل کے دائرے پر جو چپکے کاٹی رہتی ہے، اسکے اعتبار سے یہ کہنا درست ہے کہ ہر چیز لامحدود ہے، مثلاً دن رات دونوں محدود تو ہیں مگر ان دونوں کے تغیر و تبدل

ہر چیز خدا کے نزدیک
محدود اور ایک معین مقدار
میں ہے۔



ہر چیز فنا و بقا کے
دائرے پر ہونے کے
باعث لامحدود ہے۔

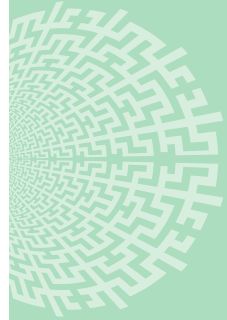
سے وقت کا وجود دائرہ بنتا ہے وہ غیر محدود ہے، اسی طرح اس سے بڑا دائرہ سال کے چپکے کا بنتا ہے، اس کے بعد بڑے بڑے زمانوں کے دائرے ہیں اور اخیر میں جا کر اس کائنات کے مٹ جانے اور پھر وجود میں آنے سے دائرہ بنتا ہے، جو لا انتہا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر چیز اگر ایک اعتبار سے محدود ہے تو دوسرے اعتبار سے غیر محدود ہے، اور یہی قانون قدرت کی تعریف ہے کہ اس میں ابتدائی و لا ابتدائی اور انتہائی و لا انتہائی کی سب خوبیاں موجود ہیں۔

قانون قدرت میں ابتدائی
ولا ابتدائی اور انتہائی
ولا انتہائی کی سب خوبیاں
موجود ہیں۔

قرآن حکیم میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن کی گہری حکمتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز ایک محدود مقدار میں ہونے کے باوجود غیر محدود ہے، وہ حقیقت اس طرح سے ہے کہ تمام چیزوں کے جوڑے ہیں یعنی ہر چیز کی ایک ضد یا مقابل ہے، مثلاً دن رات، روشنی تاریکی، دنیا و آخرت، جہانیت و رحمانیت، ہستی و نیستی وغیرہ، پھر ہر جوڑے کے گھومنے سے ایک دائرہ بنتا ہے، جیسے شب و روز کا گردش کرنا اور ماہ و سال کا بار بار آنا، اسی طرح کائنات کا وجود ایک بہت بڑا دن ہے اور اس کا مٹ جانا ایک بہت بڑی رات ہے، ان دونوں کی بھی ایک گردش ہے، یعنی کائنات و موجودات کے وجود و عدم کا بھی ایک چکر ہے جو تمام دائروں میں سب سے بڑا دائرہ ہے، جس کی

ہر چیز جوڑے میں
ہے۔

لا انتہا گردش کے سبب سے ہر محو و چیز لا محدود
ہو جاتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم کلید - ۲۲ میں اس حقیقت
کی مزید وضاحت کریں گے۔



کلید نبراً

مومنین کو سب کچھ دیا گیا

سورۃ ابراہیم کے پانچویں رکوع کے اخیر میں ارشاد ہوا ہے کہ: اور جو کچھ تم نے خدا سے مانگا سب تم کو دیا اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے تہو اس میں تو شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف ناشکرا ہے۔ ۱۴۲-

اس فرمان الہی سے ظاہر ہے، کہ حقیقی مومنین نے جہانیت میں یار و جانیت میں بزبان قال یا بزبان حال پر ردگار سے جو کچھ طلب کیا وہ سب اُس نے انہیں دے رکھا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ چیز کونسی ہے جس میں سب کچھ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی ”جامع الجوامع“ چیز جس میں تمام چیزیں موجود ہیں امام مبین کی معرفت ہے، کیونکہ امام مبین کے نورِ اقدس میں سب کچھ ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ جنت کا طول و عرض بھی کائنات کے طول و عرض کی طرح ہے، جس کا اشارہ عالمگیرِ روح کی طرف ہے، یعنی عالمگیرِ روح ہی روحانی جنت ہے،

امام مبین کی معرفت
میں تمام چیزیں موجود ہیں۔

عالمگیرِ روح ہی روحانی
جنت ہے۔

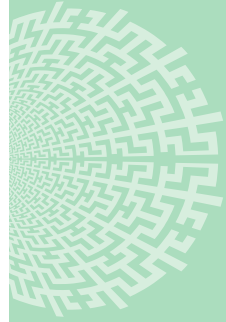
جس میں سب کچھ ہے، جو امام کی روح یعنی نور ہے، اس سے وہ سوال ختم ہو جاتا ہے کہ سب کچھ بہشت میں ملنا چاہئے یا کہ امام کی روح میں؟ کیونکہ بہشت، امام کی روح اور اس کی معرفت ایک ہی حقیقت ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کا یہ ارشاد مذکورہ بالا مطلب سے جدا نہیں کہ: **وَسَخَّرْنَا لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ** اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

یہ اصول ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ کسی بڑی چیز کے حاصل ہونے سے وہ تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں جو اس سے وابستہ ہیں، خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں، مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو باغ و گلشن دیا گیا تو پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام چیزیں خود بخود مل جاتی ہیں، جو باغ و گلشن میں ہیں، جیسے ہر قسم کے میوے، خوش منظر مقام، آرام دہ سائے، ہلکتے ہوئے رنگ برنگ مچھول وغیرہ۔

اسی طرح اگر کسی خوش نصیب انسان کو وہ سب سے عظیم نذرانہ مل جائے، جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام نذرانوں کی کلیدیں ہیں، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے سعادت مند آدمی کو خدا نے جلیل و جبار کے سائے نازل کرنے میں لگئے، اللہ تعالیٰ کے سب نذرانوں کے کلیدی

بہشت، روح امام اور
اُس کی معرفت ایک ہی
حقیقت ہے۔



معرفتِ امامِ مبین اللہ
تعالیٰ کے تمام خزانوں
کے کلیدی حیثیت کا
خزانہ ہے۔

خدا تعالیٰ خزانہ مخفی ہے
جو معرفت کے راستے
سے مل سکتا ہے۔
(مفہوم حدیثِ قدسی)

حیثیت کا خزانہ امامِ مبین کی معرفت ہے، جس کے حصول
سے ہر چیز حاصل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف کا ارشاد ہے کہ: مَنْ كَانَ لِلَّهِ
كَأَنَّ اللَّهَ لَهُ، یعنی جو شخص خدا کا ہو کر رہے تو خدا
بھی اسی کا ہو کر رہتا ہے، یعنی جو آدمی خدا کے ارشادات کی
پیروی کرتے کرتے تن من دھن سے خدا ہی کی ملکیت بن
جاتا ہے، تو پھر نتیجے کے طور پر خدا بھی لیے شخص کا بے بہا
خزانہ بن جاتا ہے، بے شک خدا تعالیٰ خزانہ مخفی ہے،
اور بموجب حدیثِ قدسی یہ خزانہ معرفت کے راستے سے
مل سکتا ہے، مگر سب جانتے ہیں کہ پیغمبر کی معرفت کے
بغیر خدا کی معرفت ممکن نہیں ہے، اور امامِ وقتؑ کی معرفت کے
بغیر پیغمبر کی معرفت ناممکن ہے، پھر وہی حقیقت سامنے آتی
ہے کہ امامِ مبین میں سب کچھ ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ
رَاجِعُونَ۔ یعنی ہم خدا کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ
کر جانے والے ہیں۔ ایسا کہنے والے کون ہیں؟ صابرین ہی
ایسا کہا کرتے ہیں، انہیں یقینِ کامل ہے، کہ وہ خدا کے حضور
سے یعنی اس کے نور سے اس دنیا میں آئے ہیں، اس لئے
وہ اس بات کے اُمیدوار ہیں، کہ وہ یہاں سے واپس جا
کر پھر خدا کی وحدت میں مدغم ہو جائیں گے، اُس حال میں
ان کو روحانی بادشاہت کی صورت میں سب کچھ دیا ہوا

ہوگا، لیکن یہاں یوں سوال ہے، کہ آیا کوئی شخص
 ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“
 کے فرمان پر عمل کئے بغیر صابر کہلا سکتا ہے؟ اگر اس کا
 جواب نفی میں ہے، تو پھر ہمارا یہ دعویٰ حق بجانب ہوگا،
 کہ اسلام اور ایمان کی تمام خوبیاں امام بین
 سے مل سکتی ہیں۔

اسلام اور ایمان کی تمام
 خوبیاں امام مہربین سے
 مل سکتی ہیں۔

انبیاء و آئمہ علیہم السلام دنیا میں اس لئے آتے
 ہیں، کہ وہ دنیا والوں کی صحیح ہدایت کریں، تاکہ لوگ
 صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے چل کر خدا کے حضور پہنچ
 جاتیں، وہ حضرات نہ صرف قولی ہدایت کرتے ہیں، بلکہ
 ہدایت کی پیروی کا عملی نمونہ بھی پیش کرتے ہیں اور اس
 ہدایت پر عمل کرنے سے جو کچھ صلہ ملنے والا ہے، وہ بھی
 بر ملا دکھاتے ہیں، وہ صلہ کیا ہے؟ پیغمبر اور امام زمان
 ہیں، جن کے نور اقدس میں سب کچھ موجود ہے، چنانچہ
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۴۶﴾ اور
 ان کو اس بہشت میں داخل کرے گا، جس کا انہیں (پہلے
 سے) شناسا کر رکھا ہے۔

کلید نمبر

ہر چیز کے خزانے

قرآن حکیم کی ۱۱۱ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو مقررہ اندازہ سے نازل کرتے رہتے ہیں۔

اس کلمۃ مقدسہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ البتہ مکانی لحاظ سے نہیں، بلکہ فضل و شرف اور علم و معرفت کے اعتبار سے خدا تعالیٰ کی کوئی قربت و نزدیکی ہے، جہاں ہر چیز کے خزانے موجود ہیں اور وہ خزانے امام مبین کے مقدس نور میں ہیں، اور اس حقیقت کی مثال ہم ظاہری سوچ سے لے سکتے ہیں، کہ سوچ میں اس عظیم کائنات کے تمام ستاروں اور سیاروں کی تکوینی دولت کے بے پایاں خزانے موجود ہیں، یعنی مادی قسم کی دولت کے خزانے، کیونکہ نہ صرف ہر ستارہ اور ہر سیارہ بحکم خدا سوچ کے فعل سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ عناصر، پہاڑ، جمادات، معدنیات اور نباتات کے علاوہ حیوانات اور انسان کا جسم بھی سوچ کی بدولت مکمل ہو جاتا ہے، پس اسی طرح عالم روحانیت کی تخلیقی دولت کے تمام خزانے

ہر چیز کے خزانے امام مبین کے مقدس نور میں ہیں۔

عالم روحانیت کی تخلیقی دولت کے تمام خزانے امام مبین کے نورِ اقدس میں موجود ہیں۔

امام مبین کے نورِ اقدس میں موجود ہیں۔

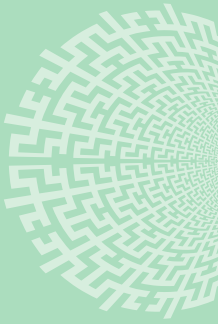
سوُج کی اس عمدہ مثال کے بعد یہ بھی ہمارا علمی فرض ہے کہ آپ کو ثابت کر کے بتائیں، کہ سوُج کی بے پناہ طاقتوں کی محرک روح کا سرچشمہ کہاں ہے، چنانچہ مذکورہ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر چہیز کے خزلے نے خدا کے پاس ہیں، جس کا مطلب بتایا گیا کہ اللہ کے یہ خزلے نے امام مبین کے نور میں موجود ہیں، اب جبکہ امام برحق علیہ السلام کے پاک نور میں خداوند تعالیٰ کے تمام خزلے موجود ہیں، اور پُروردگار کے ان خزانوں سے کوئی شیء باہر نہیں، تو معلوم ہوا کہ آفتابِ عالم تاب کی بے پناہ اور بے پایاں طاقت کی محرک روح بھی امام کے نور کے خزانوں سے جاری و ساری ہے۔

سوُج کی بے پناہ اور بے پایاں طاقت کی محرک روح بھی امام کے نور کے خزانوں سے جاری و ساری ہے۔

اس حقیقت کی دوسری دلیل یہ ہے، کہ قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو تمام عالموں کے لئے نورِ مطلق اور رحمتِ کُل کی حیثیت سے بھیجا تھا، پھر جب مقررِ عالم ساری کائنات اور سب جانوں کے حق میں نور اور رحمت تھے، تو لازمی طور پر آنحضرت سوُج کے لئے بھی اسی حیثیت سے تھے، کیونکہ سوُج بھی ایک عالم ہے، اس کے معنی یہ ہوتے کہ حضور اکرم کی ذاتِ اقدس سے آفتابِ بہان تاب کو نور کی صوت میں طبعی ہدایت اور رحمت کی حیثیت سے متعلقہ روح ملتی رہتی تھی، پھر آپ کے

خدا کے نور اور رحمت کا
ایک منظر ہر زمانے میں
موجود ہوتا ہے۔

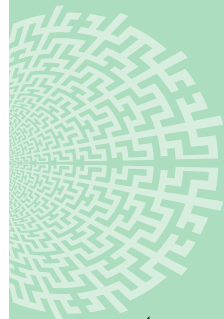
بعد آپ کے وارث اور جانشین یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام
سلسلہ وار اسی حیثیت سے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بے بدل
عادت اور اس کا اٹل قانون ہے، کہ ہر زمانے میں اسکے نور
اور رحمت کا ایک منظر ہوا کرتا ہے، خواہ وہ پیغمبر ہو یا کہ
امام، پس یہ حقیقت واضح اور روشن ہو کر سامنے آگئی، کہ
امام مبین کا نور سورج کے مادی فیوض و برکات کا بھی
سرچشمہ ہے۔



کلید نمبر ۱۲ شہد کی مکھی کی مثال

سورہ نحل کے نویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: **ثُمَّ كَلِمَةٌ مِنْ كُلِّ الشَّمْرَاتِ فَاَسْكِنِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا** اور ہر قسم کے میوے کھاؤ اپنے پروردگار کے مسخر راستوں میں چلی جا۔

پروردگار عالم کا یہ خطاب ظاہر اور تنزیل کے اعتبار سے شہد کی مکھی کے لئے ہے مگر باطن اور تاویل کے لحاظ سے اس خطاب کا تعلق حجت اور پیر سے ہے، کہ وہی شخص جو امام زمان علیہ السلام کی جانب سے حجت، پیر، یاد اعی کے لقب سے اور بعض دفعہ کسی اور نام سے بھی مقرر ہوتا ہے، شہد کی مکھی کا مشول ہے، اور شہد کی مکھی اسی شخص کی مثال ہے، کیونکہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں اور پھولوں سے رس چوس کر اپنے بطن میں شہد بناتی ہے، اسی طرح امام برحق علیہ السلام کا علمی نمائندہ روحانیت کے پھولوں اور پھولوں سے اپنے باطن میں علم تاویل کا شہد تیار کرتا ہے، اس کے لئے علم و حکمت کے رستے ایسے صاف، مسخر اور آسان ہیں، جیسے شہد کی مکھی



شہد کی مکھی کی تاویل
حجت، پیر اور داعی ہیں۔

شہد = علم تاویل

کے راستے، کہ وہ بڑی آسانی سے ایک پھول سے دوسرے پھول پر اڑ سکتی ہے۔

شہد کی مکھی جن مختلف پھولوں اور جدا جدا پھولوں سے شہد بناتی ہے ان سب کا ذائقہ مل کر شہد کا ایک ہی مزہ بن جاتا ہے، اور اس میں دوسرا کوئی ذائقہ باقی نہیں رہتا، اسی طرح حجت، جس کو امام حجتی و حاضر علیہ السلام کی روحانی تائید حاصل ہے، مختلف تنزیلات کی ایسی موافق تاویل کر سکتا ہے، کہ وہ عقل کے نزدیک شہد کی طرح خوشگوار اور یقینی ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔

آیت مذکورہ بالا میں بصورتِ تنزیل شہد کی مکھی سے فرمایا گیا ہے کہ، ”اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے پڑر دکار کے مسخر رستوں پر چلی جا“ ہر دانا شخص اس مقام پر تاویل کی اہمیت سمجھ سکتا ہے، کہ دنیا میں جہاں کہیں شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں، وہاں ہر قسم کے میوے جمع تو نہیں ہوتے اور نہ ہر نوع کے پھول یکجا ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ پڑر دکار کے رستے باغوں اور جنگلوں میں، جہاں شہد کی مکھیاں ہوں، نہیں پائے جاسکتے، پس اس سے ظاہر ہے، کہ ہم اس آیت مبارکہ کی جو تاویل کر رہے ہیں وہ درست اور صحیح ہے، ہر چند کہ اس کی اور بھی تاویلیں ہیں۔

چنانچہ جسمانی اور ظاہری حالت میں یہ بات بالکل

حجت امام حجتی و حاضر کی
روحانی تائید سے مختلف
تنزیلات کی موافق تاویل
کر سکتا ہے۔

ناممکن ہی ہے کہ دنیا کے کسی ایک مقام پر ہر موسم اور ہر ملک کے تمام پھول اور پھل یکجا موجود ہوں، مگر اس کے برعکس روحانی اور باطنی صورت میں ہر قسم کے پھول اور ہر طرح کے میوے ایک ہی مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے کہ:

کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۲۸ جاننا چاہتے کہ حرم کی تاویل امام زمان ہے، کیونکہ امام ہی خدا کے پاک نور کا حقیقی گھر اور نہانخانہ اسرارِ توحید ہیں، جہاں ہر قسم کے روحانی میوے کھنچے چلے آتے ہیں، اور یہ رزق دنیاوی نہیں بلکہ خدا کے حضور سے آتا ہے۔

اس سے یہ تاویل ظاہر ہوئی کہ مرتبہ حجّتی پر فائز ہونے والے سے فرمایا جاتا ہے کہ تم اپنے امام وقت کے روحانیت میں داخل ہو جاؤ اور تنزیل کے باغات کے پھولوں اور پھلوں کے ہر نمونے سے تاویل کا شہد بناؤ اور اپنے پروردگار کے علم و حکمت کے مسخر رستوں پر چلو پھرو۔

سورہ نحل میں شہد کی مکھی کے بارے میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کی مجموعی تاویل یہ ہے کہ: اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی، یعنی آپ کے پروردگار

حرم کی تاویل امام زمان ہے جو خدا کے نور اقدس کا حقیقی گھر ہیں۔

حجّت تنزیل کے باغات کے پھولوں اور پھلوں سے شہد تاویل تیار کرتا ہے۔

نے ہونے والے حجّت سے مخاطب فرمایا، کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا لے، یعنی تم سے قبل جو دوسرے حجّت علم کے پہاڑ ہیں ان کے ساتھ روحانی رابطہ رکھو، اور درخت میں بھی گھر بنا لے، یعنی حجّتوں کے بعد اپنے امام وقت کی معرفت تک رسائی کرو جو امامت کا سدا بہار درخت ہے، یعنی شجرہ طیبہ جو ہر وقت پھل دیتا ہے اور اس چیز میں بھی گھر بنا لے جو وہ بلند کرتے ہیں، یعنی امام زمان کی معرفت کی روشنی میں حد و علوی کی حکمتوں سے بھی فیض حاصل کرو، پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھالے، یعنی روحانی اور علمی میوؤں سے کھا لو، پھر اپنے رب کے صاف اور مستحضر رستوں پر چلی جا، یعنی اپنے رب کے علم و حکمت کے میدان میں چلو پھرو کہ تمہارے لئے کوئی رکاوٹ اور کوئی الجھن نہیں، اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں یعنی حجّت کے باطن سے گونا گونے تالیات ظاہر ہوتی ہیں، جو روحانی غذا ہے، کہ اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے، یعنی حجّت کی تالیات کی بدولت لوگ نادانی اور جہالت کی بیماری سے شفا یاب ہو جاتے ہیں، یقیناً اس میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، یعنی جو لوگ عقل و دانش سے غور و فکر کرتے ہیں، وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں، کہ یہ تمام چیزیں، جن کا ذکر ہوا، امام برحقؑ کے روحانی اور علمی معجزات ہیں۔

حجّت کی تالیات کی بدولت ہی نادانی و جہالت کی بیماری سے شفا حاصل ہو سکتی ہے۔

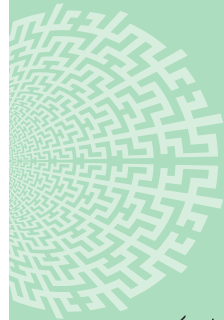
کلید نمبر ۱۳

تمام تمثیلات

سورہ کہف کے آٹھویں رکوع میں ہے کہ:
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ
اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے طرح طرح کی
مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

اس کلیتہً مقدسہ کا واضح مفہوم یہ ہے، کہ پیرردگار
عالم نے قرآن حکیم میں ایک ہی حقیقتِ جامعہ کی مثالیں پھیر
پھیر کر بیان کر دی ہیں، چنانچہ ہر مثال میں اسی حقیقتِ واحدہ
کی ایک گونہ صوت پنہان ہے، اور جہاں مثل الاعلیٰ ہے
وہاں حقیقتِ واحدہ یا کہ حقیقتِ الخالق ہے، پھر اس
بیان کے یہ معنی ہوتے، کہ ساری مثالیں مثل الاعلیٰ کی مختلف
تفصیلات ہیں اور تمام حقیقتیں حقیقتِ واحدہ کی حُبِ
جدا تشریحات ہیں۔

چنانچہ مثل الاعلیٰ کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد
ہے کہ: **وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** اور آسمانوں اور زمین میں بلند
ترین مثال اسی کی ہے اور وہ غالبِ حکمت والا ہے۔



قرآن حکیم میں ساری
مثالیں مثل الاعلیٰ کی
مختلف تفصیلات اور
تمام حقیقتیں حقیقتِ
واحدہ کی حُبِ جدا
تشریحات ہیں۔

اس آئینہ مبارک سے یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ ہر چند کہ باری سبحانہ کی ذات بیچون کی کوئی مثال نہیں، تاہم اُس نے جملہ مثالوں میں سے ایک مثال کو اپنی ذات پاک سے منسوب کرنے کے لئے منتخب فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۚ اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔ اور اس کا تاویل اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی مثال جیسی کوئی شی نہیں، یعنی اس کی ایک اعلیٰ مثال ہے مگر کوئی چیز اُس اعلیٰ مثال کی مثال نہیں بن سکتی، اور یہ تمام اشارے کَمِثْلِهِ میں پوشیدہ ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مثل الاعلیٰ تمام مثالوں میں سے ارفع و اعلیٰ اس لئے ہے، کہ یہ اپنی تمام معنوی اور تاویل خوبیوں کی وجہ سے دوسری سب مثالوں سے ممتاز اور مخصوص ہے۔

جاننا چاہئے کہ مثل الاعلیٰ کا ذکر سورہ نور میں کیا گیا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اَللّٰهُ نُورٌ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُوْرِهِ كَمِثْلُوٰةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۚ اِس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں ایک روشن چراغ ہو۔

پس وہ مثل الاعلیٰ جو کائنات و موجودات پر حاوی اور محیط ہے، یہی ہے، جس کا ذکر ہوا، اس کی تمام معنوی

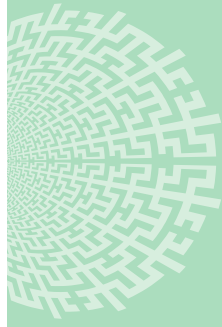
حق تعالیٰ کی ایک اعلیٰ مثال ہے مگر کوئی چیز اُس اعلیٰ مثال کی مثال نہیں بن سکتی۔

اور تاویلی خوبیوں کو کوئی فہرست ضبط تحریر میں نہیں لاسکتا، اور اس کی بنیادی خوبی اس حقیقت میں ہے، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کہ خدا، رسول اور امام مبینؑ کا ایک ہی نور ہے، اور یہی ایک نورِ جملہ اوصافِ کمالیہ سے موصوف ہے، جبکہ حضرت باری تعالیٰ کی ذات ہر صفت سے پاک و منزہ ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۸۶
 آپ کا رب جو عزت کا پڑر دکا ہے ان تمام اوصاف سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہاں صاف طور پر واضح ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر صفت اور ہر وصف سے پاک و بے نیاز ہے، کیونکہ وہ عزت کا پڑر دکا ہے، یعنی حدِ درو حانی و جسمانی کی عزت کا بلند کرنے والا ہے، یہاں تک کہ عزت کی بلندی کی انتہا آئے مگر وہ خود ہر صفت سے پاک اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں اب یہ بتلادینا آسان ہے، کہ امام مبینؑ کا نور کوئی محدود نور نہیں بلکہ وہی مطلق نور ہے وہی مثل الاعلیٰ کا مثل اور وہی حقیقت الحقائق ہے، اور یہی مقدس نور انہی معنوں کے ساتھ خدا کا نور کہلاتا ہے، جس میں وہ تمام صفات موجود ہیں، جو خدا تعالیٰ سے منسوب کی جاتی ہیں۔

خدا، رسول اور امام مبینؑ کا نور واحد ہی جملہ اوصافِ کمالیہ سے موصوف ہے۔



نورِ امام مبینؑ ہی نورِ مطلق، مثلِ مثل الاعلیٰ اور حقیقت الحقائق ہے۔

نورِ مطلق کا حامل ہمیشہ
سے امامِ مبین ہی ہے۔

اب جبکہ یہ حقیقت واضح ہو چکی، کہ نورِ مطلق ایک ہی ہے، جس کا حامل ہمیشہ سے امامِ مبین ہے، تو پھر ہم بیان کر دیں گے، کہ ایک ہی حقیقت کی کئی مثالیں یا کئی اعتبارات کس طرح ممکن ہیں، چنانچہ خداوند عالم نے آیتِ بیعت میں آنحضرت کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دے لیا ہے، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس مثال میں اُس فعل کو بھی اپنا لیا ہے، جو حضور اکرم کے مبارک ہاتھ سے مکمل ہوا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:-

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۖ خُذَا كَاتِمَاتِ
ہاتھوں پر ہے یعنی پیغمبر صلعم کا ہاتھ، جس نے مسلمانوں سے بیعت لیا، خدا کا ہاتھ ہے، اور رسول اللہ کے بیعت لینے کا جو فعل ہے، وہ بھی اسی نسبت سے خدا کا فعل ہے، پس آیتِ بیعت کے ان مبارک الفاظ سے نہ صرف یہ معلوم ہوا، کہ ایک ہی حقیقت کے کئی اعتبارات ہو سکتے ہیں، بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا، کہ اللہ تعالیٰ انسانِ کامل کے قول و فعل کو اپنا قول و فعل قرار دے سکتا ہے۔

نیز ارشاد ہے کہ: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۗ اور (لے محمد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اس ارشاد میں بھی پھر وہی حقیقت ہے کہ خدا نے انسانِ کامل کے فعل کو اپنا فعل ٹھہرا لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانِ کامل
کے قول و فعل کو اپنا
قول و فعل قرار دے
سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ اس حقیقت پر غور کریں، کہ آیا پیغمبر کی مثال مثل الاعلیٰ کے ساتھ مل کر ایک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَدَاعِيَ إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝۳۳-

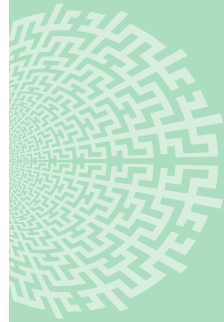
اور آپ خدا کی طرف بلانے والے ہیں اس کے حکم سے اور روش چراغ ہیں۔ نیز خدا نے قرآن میں یہ بھی فرمایا، کہ آنحضرتؐ ساری کائنات کے لئے رحمت تھے (۱۱۱/۱)

اب اگر ہم خدا کے اس روشن چراغ کی وسعت و روشنی کا تصور کائناتی رحمت (رحمۃ للعالمین) کے تقاضے کے مطابق کریں، تو سارے آسمانوں اور زمین میں اسی خدائی چراغ کی روشنی کے سوا اور کوئی روشنی تصور میں نہ آئے گی، پس معلوم ہوا، کہ پیغمبر اکرمؐ کی مثال مثل الاعلیٰ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

اب امام حسینؑ کی مثال سینے، جو ارشاد ہے کہ:

لے ایمان والو خدا سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا، اور تمہارے لئے ایک نور مقرر کر دے گا، جس کی روشنی میں تم چل سکو گے اور تم کو بخشدے گا ۝۳۸۔ جاننا چاہئے کہ یہاں خدا سے کما حقہ ڈرنے اور رسول محمدؐ پر جیسا کہ چاہئے ایمان لانے میں قرآن اور شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اب رہا اس کے اجر و صلہ کا سوال، جو ظاہر و باطن اور دنیا

آنحضرتؐ چراغ روشن
اور ساری کائنات کے
لئے رحمت تھے۔



اور آخرت میں ملنا چاہتے، تو وہ اس طرح سے ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے توسط سے مومنین کی ہدایت و رہنمائی کے لئے امام مقرر کر دے، تاکہ وہ امام کے نور کی روشنی میں چل سکیں۔ خدا و رسول نے مومنین کے لئے جس نور کا تقرر

فرما دیا ہے، اس کے ظاہری معنی تو یہ ہوتے، کہ گروہ مومنین کے لئے امام مقرر کر دیا گیا، یہ تو مانا گیا، لیکن اب اس کی تاویل کا سوال ہے، تو بتائیے، کہ اس کی تاویلی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حقیقی مومنین کے لئے خدا و رسول کے

نور مقرر کر دینے کی تاویل یہ ہے، کہ حقیقی محبت و فرمانبرداری کے نتیجے میں مومنین کے طاقِ دل میں مصباحِ امامت کا نور جلوہ گر ہونے لگتا ہے، پھر ”نُورٌ عَلٰی نُورٍ“ کے اصول کے مطابق اس کی علمی و عرفانی روشنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام کائنات موجودات کو گھیر کر اپنے باطن میں محو و ذکر لیتا ہے، اسی معنی میں ارشاد ہوا ہے کہ:

وَكُلُّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِي اِمَامٍ مُّبِينٍ ۝۳۶

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک پوشیدہ امر ہے کہ تم ہر چیز کے لئے امام مبین کی طرف رجوع کرو، پس ثابت ہوا، کہ مثل الاعلیٰ کی تاویل میں خدا، رسول اور امام برحق کا ایک ہی نور ہے۔

حقیقی مومنین کے طاقِ دل میں مصباحِ امامت کا نور صرف حقیقی محبت و فرمانبرداری کے نتیجے میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔

مثل الاعلیٰ کی تاویل خدا، رسول اور امام برحق کا نور واحد ہے۔

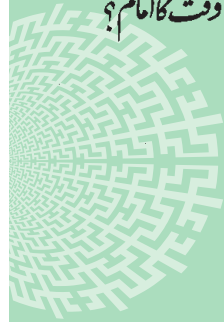
کلید نمبر ۱۴ ذوالقرنین

ذوالقرنین کون تھا؟ کیا وہ ایک جہانگیر بادشاہ تھا، یا پیغمبر، یا اپنے وقت کا امام؟ اس سوال کا صحیح جواب نہیں دیا جاسکتا، جب تک کہ اس کے بارے میں ان قدر آنی حقائق کا انکشاف نہ ہو، جو ذوالقرنین کے قصے میں ہیں۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا - إِنَّا مَكِّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا - فَاتَّبَع سَبَبًا** - ۸۳-۸۵

(اے محمد) وہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ بیان کر دیتا ہوں۔ بے شک ہم نے اسکو زمین (روحانیت) میں قدرت دی تھی اور ہم نے اسکو ہر چیز کا سبب (رستہ) دیا تھا پس وہ ایک رستہ پر پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک دانشمند مومنوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہے، کہ وہ غور و فکر سے اس کی معنوی گہرائیوں تک رسا ہو کر اس کی حقیقتوں کو حاصل

ذوالقرنین کون تھا؟
بادشاہ، پیغمبر یا اپنے
وقت کا امام؟



اللہ تبارک و تعالیٰ نے
حضرت ذوالقرنین کو
آسمان وزمین اور ظاہر و
باطن کی سب چیزوں کے
وسائل مہیا کر دیئے تھے۔

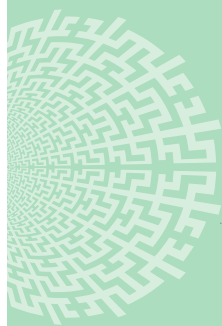
کر لیں، پنانچہ، ”وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا“
کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت
ذوالقرنین کو آسمان وزمین اور ظاہر و باطن کی سب چیزوں
کے وسائل و ذرائع مہیا کر دیئے تھے، پس حقیقی مومنوں کے
نزدیک اس فرمانِ الہی کا مطلب بالکل ایسا ہی ہے جیسا
کہ ”وَكُلِّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ مُبِينٌ“
کا ہے۔

جس طرح کہ اس کتاب کے تمام موضوعات
میں ایسی قرآنی آیات سے بحث کی گئی ہے، جن میں
لفظ ”کُلٌّ“ آیا ہے، اور ایسی آیات کو جو کلیات میں سے
ہیں بطور ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ ان میں جو کچھ بیان ہوا
ہے، وہ ظاہری اور باطنی قسم کی ساری چیزوں کے بارے
میں ہے، اسی طرح آیت مذکورہ بالا میں ”كُلِّ شَيْءٍ“
سے روحانیت اور جسمانیت کی تمام چیزیں مراد ہیں۔

کُلِّ شَيْءٍ = روحانیت
و جسمانیت کی تمام چیزیں۔

یہاں اس حقیقت کی ایک اور مثال خود قرآن
حکیم سے یہ ہے کہ: اَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوا فِي الْاَسْبَابِ ۳۸
کیا ان کو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان
ہیں ان کی بادشاہی حاصل ہے (اگر ایسا ہے) تو ان کو
چاہئے کہ سیڑھیوں سے آسمان پر چڑھ جائیں۔
جاننا چاہئے کہ یہ مثال ظاہر اور باطن میں غیر امتیازیت

آسمانوں اور زمین کی
کلیدیں۔



اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ
کو آسمانوں اور زمین کی
روحانی بادشاہی دیکھنے
کی کنجیاں عنایت فرمائی
تھیں۔

اور امکانیت کے دو معنی رکھتی ہے، اور اس کی امکانیت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ جن حضرات کو چاہے آسمانوں اور زمین کی روحانی بادشاہی عطا کرتا ہے، اور جن اسباب سے کائنات کی روحانی سلطنت مل سکتی ہے، وہ اسباب گویا آسمانوں اور زمین کی کلیدیں ہیں، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ**۔ ۳۹ اور اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں ہیں۔ جلنا چاہتے کہ کسی مکان کا دروازہ، قفل اور کلید اس لئے ہوتی ہے کہ مالک جن کو چاہے اپنے مکان میں داخل کر دے اور جن کو نہ چاہے داخل نہ ہونے دے

چنانچہ قرآن پاک کی آیت میں ہے کہ: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی روحانی بادشاہی دیکھنے کی کنجیاں عنایت فرمائی تھیں، یا یوں کہنا چاہتے، کہ خدا نے اسے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کے اسباب یعنی رستے بتا دیئے تھے۔ پس یہی مثال حضرت ذوالقرنین کی بھی ہے، کہ ان کو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کے باطنی رستے بتائے

گئے تھے، کیونکہ ذوالقرنین اپنے وقت کے امام تھے۔
 قرآن حکیم میں حضرت ذوالقرنین کا مختصر قصہ ہے
 وہ دراصل تاویل طلب ہے، مثلاً وہ سوچ ڈوبنے کی جگہ پر پہنچ گئے
 جہاں سوچ ایک کچھڑ کے چشمے میں ڈوبتا تھا، اس سے صاف
 طور پر ظاہر ہے، کہ یہ سوچ مادی اور دنیاوی سوچ نہیں تھا، بلکہ
 یہ روحانی اور دینی سوچ تھا جسے دوسرے الفاظ میں نور توحید
 کہا جاتا ہے، اور کچھڑ کے چشمے سے دو اصل جسمانی مراد ہیں،
 جو روحانی مغرب ہیں، یعنی ناطق اور اساس، جیسے تخلیق آدم
 کے بارے میں ارشاد ہے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ
 صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿۱۹﴾ اور ہم نے انسان
 کو نجی ہونی مٹی سے جو کہ سہڑے ہوئے گائے کی بنی تھی پیدا کیا۔
 اور مشرق کی تاویل عقل کل اور نفس کل ہیں جہاں سے نور
 توحید طلوع ہو کر ناطق اور اساس میں غروب ہو جاتا ہے۔

کتاب ”الامامة في الاسلام“ کے صفحہ ۱۲۸
 سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام دور نوحؑ
 کے سلسلہ ائمہ متقربین سے ہیں چنانچہ آپ کا شجرہ
 نسب یہ ہے: ذوالقرنین بن عابر بن صالح بن قینان
 بن ارفکشا بن سام بن نوح، یعنی آپ حضرت نوحؑ
 سے ساتویں پشت ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے ظاہر ہوا، کہ حضرت ذوالقرنینؑ
 اپنے وقت کے امام تھے اور ان کے مشرق و مغرب کے سفر

نور توحید روحانی مشرق
 یعنی عقل کل و نفس کل سے
 طلوع ہو کر روحانی مغرب
 یعنی ناطق اور اساس میں
 غروب ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالقرنینؑ
 حضرت نوح سے ساتویں
 پشت میں امام متقرب
 تھے۔

کا سارا قصہ روحانی اور تاویلی ہے۔

نیز حضور اکرم صلعم کے ایک مبارک ارشاد سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ امام تھے، چنانچہ آنحضرت نے مولانا علیؑ سے فرمایا کہ:

يَا عَلِيُّ إِنَّ لَكَ كَنْزًا مِنْ الْجَنَّةِ وَأَنَّكَ لَذُو قَرْنَيْنٍ۔

یعنی (یا علی) جنت میں آپ کے لئے ایک مکان مخصوص ہے اور آپ اس امت کے ذوالقرنین ہیں۔ سبحان للہ ارشاد نبویؐ کی معنوی شان کس قدر بلند ہے، کہ اس مبارک

حدیث میں امام شناسی کے جملہ اسرار موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اگر علیؑ ذوالقرنین کی طرح ہیں تو ذوالقرنین بھی علیؑ کی طرح ہیں، پس اگر علیؑ امام ہیں تو ذوالقرنین بھی اپنے وقت کے امام تھے، دوسرا یہ کہ قرآن کے تاویلی قصے میں جو تعریف و توصیف ذوالقرنین کے متعلق ہے، اس کا تعلق علیؑ سے بھی ہے، جبکہ علیؑ ذوالقرنین کے ہمصفت ہیں، تیسرا یہ کہ جب تک دنیا میں آنحضرت کی امت ہے، تب تک علیؑ بھی انہی اوصاف کے ساتھ جو مذکور ہوئے حاضر اور موجود ہیں، کیونکہ آنحضرت نے مذکورہ ارشاد میں اس امت کے درمیان ایک ذوالقرنین کا مبارک وجود لازمی قرار دیدیا ہے۔

حضرت علیؑ اس امت کے ذوالقرنین ہیں۔
(مفہوم حدیث نبوی)

جب تک دنیا میں آنحضرت کی امت ہے تب تک علیؑ بھی حاضر اور موجود ہیں۔

کلید نمبر ۱۵

یا جوج و ما جوج

یا جوج و ما جوج کے بارے میں ظاہری کتابوں میں مختلف قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن کی کثرت اختلاف کے سبب سے حقیقت پر جو پردہ پڑا ہے، اس کا ہٹانا کوئی آسان بات نہیں ہے، لیکن امام زمانؑ (جو خدا و رسولؐ کی طرف سے ہادی برحق ہیں) کی دستگیری اور تائب کے اعتماد پر اس موضوع کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں یا جوج و ما جوج کا تذکرہ بطریق اجمال دو دفعہ آیا ہے، جو سورۃ کہف میں حضرت ذوالقرنین کے قصے کے سلسلے (۹۱-۹۸) میں ہے اور سورۃ انبیاء (۹۵-۹۷) میں ہے۔

چنانچہ امام وقت کی حیثیت سے حضرت ذوالقرنینؑ پر عالم روحانی کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے، انہوں نے اپنی نورانیت میں تمام خلائق عالم کی روحوں کا مشاہدہ کیا، یہ روحیں تین قسموں میں تھیں، یعنی اہل دنیا کی روحیں جنکا دوسرا نام یا جوج و ما جوج ہے، اہل ادیان کی روحیں اور اہل اللہ کی روحیں، پس حکمت کا تقاضا یہ تھا، کہ سب سے

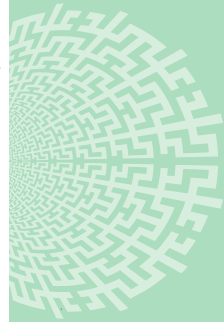
خلائق عالم کی روحیں تین
قسموں میں تقسیم ہیں؛
۱۔ اہل دنیا کی روحیں
(یا جوج و ما جوج)
۲۔ اہل ادیان کی روحیں
۳۔ اہل اللہ کی روحیں

پہلے دین والوں کی روحوں کا مشاہدہ ہو، چنانچہ ذوالقرنینؑ نے ایسی قوم کو نورِ ہدایت کے مغرب میں دیکھا، اُن میں بھلائی اور برائی دونوں کی صلاحیت موجود تھی، اس کے بعد آپ روحانیت کے مشرق میں پہنچ گئے، جہاں ان کے مشاہدے میں ایسی روحیں آگئیں، جن پر ہر وقت نورِ ہدایت کا سونچ بلا واسطہ طلوع ہوتا رہتا تھا، یہ اہل اللہ کی روحیں تھیں، جن میں سوائے نیکی کے کچھ بھی نہیں تھا، انہیں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام روحانیت کے ایسے مقام پر پہنچے، جہاں خلیفۃ خدا یعنی پیغمبر اور امام کے لئے ممکن ہوتا ہے، کہ وہ اہل دنیا کی روحوں کے شر و فساد سے مومنوں کو محفوظ رکھیں، جس میں مومنین پر بھی انتہائی حد کی فرمانبرداری کا فریضہ واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ اہل دنیا کی روحوں یعنی یاجوج و ماجوج کے شر و فساد سے بچنے کے لئے اس وقت کے مومنین نے حضرت ذوالقرنین سے یعنی امام وقت سے درخواست کی، پس آپ کے علم روحانی اور مریدوں کے عملِ جمالی سے حفظ و امان کی ایک مضبوط روحانی دیوار یا جوج و ماجوج کے سامنے کھڑی کر دی گئی، جس کے اوپر سے وہ چڑھ نہیں سکتے تھے، اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے، ذوالقرنین نے فرمایا کہ یہ میرے پڑدگار کی ایک رحمتِ دمہربانی ہے پھر جب میرے پڑدگار کا وعدہ قیامت آئے گا اس کو ریزہ ریزہ کر

حضرت ذوالقرنینؑ کو نورِ ہدایت کے مغرب میں اہل ادیان کی روحوں کا مشاہدہ ہوا۔

روحانیت کے مشرق میں حضرت ذوالقرنینؑ کو اہل اللہ کی روحوں کا مشاہدہ ہوا۔



امام وقت کا مومنین کو اہل دنیا کی روحوں یعنی یاجوج و ماجوج کے شر و فساد سے بچانا۔

دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچ ہے۔

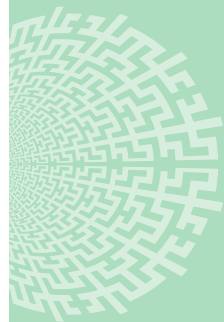
اس کے بعد قرآن حکیم کا یہ واضح اشارہ ہے، کہ
دورِ قیامت یعنی دورِ روحانیت کے آغاز میں یا جوج و
ماجوج (یعنی اہل دنیا کی روحوں) کو کچھ وقت کے لئے موقع
دیا جائے گا، جس میں بعض روحیں جسمانی طریق پر اور بعض
روحانی طور پر شر و فساد میں مصروف ہوں گی، پھر ایک زمانے
کے بعد صور پھونکا جاوے گا، جس کی بدولت خلائق عالم کی
جملہ ارواح ایک ہی ملی وحدت کے رشتے میں منسلک ہو
جائیں گی۔

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یا جوج و ماجوج
کا بیان اس طرح آیا ہے کہ: اور ہم جس بستی کو ہلاک کر چکے
ہیں اس کے لئے ممانعت ہے کہ وہ رجوع کرے (یعنی جو
لوگ عذابِ الہی سے روحانی طور پر ہلاک ہوئے ہیں ان کی
روحوں کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ لوٹ کر پھر دنیا میں
آئیں) یہاں تک کہ جب یا جوج و ماجوج کھول دیئے
جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوں گے ۹۵-۹۶
یاد رہے کہ ہر بلندی کا مطلب یہاں حقیقی مومن کی روحانیت
ہے جو دنیا والوں سے بلند تر ہے، کیونکہ حضرت اسماعیلؑ
حقیقی مومنوں کی روحانیت میں سے صور پھونکے گا، اس
لئے یا جوج و ماجوج اور دوسری تمام روحیں صور کی آواز
کی طرف دوڑیں گی، جہاں سے وہ پھر دنیا میں منتشر ہو جائیں

دورِ روحانیت کے آغاز
میں اہل دنیا کی روحیں
کچھ وقت کے لئے جسمانی
طریق پر اور روحانی طور
پر شر و فساد میں مصروف
ہوں گی۔

گی، جیسا کہ قولِ قرآن ہے کہ :-
 وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ
 إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۗ ۞
 پھر جب صور پھونکا جائے
 وہ یکایک قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف دوڑنے لگیں
 گے۔ یعنی تمام روہیں جو انسانی جسم کی قبروں میں مدفون ہیں،
 وہ وہاں سے بچکم خدا اٹھ کر صورِ اسرائیل کے پاس، جو حقیقی
 مومنین میں سے ہے، جمع ہو جائیں گی، جہاں ان کے پروردگار کا
 نور اسمِ اعظم کی صورت میں موجود ہے۔

صورِ اسرائیل کے زیرِ
 اثر انسانی جسم کی قبروں
 میں مدفون روہیں حقیقی
 مومنین میں جمع ہو جائیں
 گی۔



ہر چیز کی خلقت و ہدایت

قرآن مقدّس کی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: قَالَ رَبَّنَا
الَّذِي آعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (آیت)
(موسیٰ نے) کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز
کو خلقت (یعنی مادی شکل و صورت) بخشی پھر راہ دکھائی۔
اس کلیتہً مقدسہ کی ان گنت حکمتوں میں سے جو باتیں
قابل فہم ہیں ان کی یہاں وضاحت کی جاتی ہے، اول یہ کہ یہ
آیت پاک حکمت کی زبان میں فرما رہی ہے، کہ ہر چیز عالم امر
یعنی عالم روحانی میں ازلی وابدی طور پر موجود ہے، جس کا وجود و
صورت محض عقلی اور روحانی کیفیت میں ہے۔

ہر چیز عالم امر (عالم روحانی)
یعنی عقلی و روحانی کیفیت
میں ازلی و ابدی طور پر موجود
ہے۔

دنیا کی ہر مادی چیز
آخرت کی اصلی چیز کا
سایہ ہے۔

دوم یہ کہ عالم امر کی حقیقتیں اشیاء کہلاتی ہیں، یعنی
چیزیں، بلکہ چیزیں دراصل وہی ہیں، کیونکہ دنیا کی ہر مادی
چیز آخرت کی اصلی چیز کا سایہ ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے
کہ ”کُلُّ شَيْءٍ“ میں بحقیقت عالم امر کی چیزوں کا
ذکر ہے، ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ جہاں کُلُّ شَيْءٍ کا
ذکر ہے وہاں تمام چیزوں کے سائے بھی شامل ہیں۔
سوم یہ کہ ہر چیز عالم امر میں ہمیشہ ہمیشہ کھلتے

موجود ہے ساتھ ہی ساتھ اس کو عالم خلق میں بھی ایک مادی وجود دیا جاتا ہے، یہ ہوا خدا کی طرف سے ہر چیز کو خلقت بخشنا، درحالیکہ چیزوں کا مادی وجود یعنی خلقی صورت بار بار مٹاتی جاتی ہے اور بار بار بنائی جاتی ہے، جبکہ اشیاء کی امری صورت لافانی ہے۔

چہاں یہ کہ ہر چیز جو بیک وقت دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، اس کو اس کی ضرورت کے مطابق ہدایت دی گئی ہے یعنی راہ دکھائی گئی ہے، اور دونوں جہان کی اس ہمہ گیر و ہمہ رس ہدایت کا سرچشمہ خدا کا نور ہے، جیسے ارشاد ہوا ہے کہ :-

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جِسْمٌ كَمَا مَفْهُومٌ هُوَ
کہ خدا کائنات کے ظاہر و باطن کی ہر چیز کے لئے ہدایت کا نور ہے، مگر جیسا کہ بتایا گیا، کہ ہدایت موجودات و مخلوقات کے درجات کے مطابق کار فرما ہوتی ہے۔

اب یہاں ہمیں عالم خلق کی چیزوں کی ہدایت کے بارے میں کچھ مختصر بیان کرنا چاہئے، چنانچہ خدا کے اُس نورِ مطلق کی طرف سے، جس کی معرفت کے موضوعات پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، سب سے پہلی ہدایت آسمانوں، ستیاریوں اور ستاروں کو حاصل ہے، جس کی بدولت وہ نہ صرف وجود میں آئے، بلکہ اسی نورانی ہدایت کے بل بوتے پر وہ اپنے اپنے محدود دائروں میں گردش کرتے ہوئے مصروفِ عمل بھی ہیں۔

دونوں جہان کی ہمہ گیر
وہمہ رس ہدایت کا سرچشمہ
نورِ خدا ہی ہے۔
(۲۴:۲۵)

نورِ ہدایت سے سب
سے پہلی ہدایت آسمانوں
ستیاریوں اور ستاروں
کو حاصل ہے۔

نور ہدایت سے دوسری
ہدایت عناصر اربعہ کو اور
تیسرے درجے کی
ہدایت موالید ثلاثہ کو
حاصل ہے۔

روح ناطقہ (انسانی روح)
ایک طرف سے روح
حیوانی سے تو دوسری
طرف سے نلکی قوتوں
سے متصل ہے۔

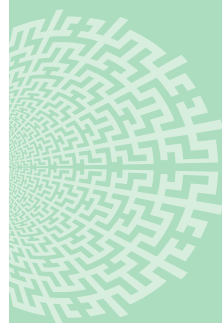
دوسری ہدایت عناصر اربعہ کو ملی ہے، جو گرمی، سردی،
خشکی اور تری کی طبعی کیفیت میں پنہان ہے، تیسرے درجے
کی ہدایت موالید ثلاثہ کو حاصل ہے، جو جمادات، نباتات
اور حیوانات ہیں، اور ہدایت ان کے مختلف طبقات کے
مطابق ہے، مثال کے طور پر جمادات کی ہدایت بھی ان کی
طبعی کیفیت میں پوشیدہ ہے، نباتات کی ہدایت روح نامیہ
کی قوتوں کی صورت میں ہے، حیوانات کی ہدایت روح
حسی یعنی روح حیوانی کی حیثیت میں ہے اور انسانوں کے
ہدایت روح ناطقہ کی شعوری طاقتوں کے توسط سے ہے۔

چونکہ روح ناطقہ یا کہ انسانی روح اگر ایک طرف
سے حیوانی روح سے متصل ہے، تو دوسری طرف سے نلکی
قوتوں سے بھی ملی ہوئی ہے، اس لئے انسانیت کے غیر
معمولی وسیع دائرے میں مختلف نظریات کے بہت سے
گروہ اور جدوجہد عادات کے بے شمار افراد داخل ہیں،
پس یہ امر لازمی ہوا، کہ نور الہی کی طرف سے انسانوں کے لئے
جس ہدایت کی ضرورت تھی، وہ لوگوں کے بدلتے ہوئے
حالات کے مطابق درجہ بدرجہ حاصل ہوتی رہے اور امر
واقعی ایسا ہی ہے۔

جب یہ بات حق ہے، کہ نور الہی کی جانب سے نبی آدم
کے لئے جو ہدایت آتی ہے، اس کے بھی مختلف درجات
ہوا کرتے ہیں، تو پھر اس بات کی تحقیق ضروری ہے، کہ

ہدایت کا سب سے اعلیٰ درجہ کونسا ہے، اس کے بارے میں جب ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے، کہ سب سے اچھی ہدایت عرفانی ہدایت ہے جو امام مبینؑ کی حقیقی معرفت اور نور ہدایت کی انتہائی قربت کا مرتبہ ہے۔

سب سے اعلیٰ درجے کی
ہدایت عرفانی ہدایت ہے
جو امام مبینؑ کی حقیقی
معرفت کا مرتبہ ہے۔



کلید نمبر ۱

ہر چیز کا فنا ہو جانا

سورہ قصص کے اخیر میں ہے کہ: **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۲۸**۔
یعنی اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

وجہ اللہ کی تاویل
امام زمان ہیں۔

وَجْهَ اللّٰهِ کے لفظی معنی ہیں خدا کا چہرہ، اور اس کا تاویلی اشارہ امام زمان کی طرف ہے، جیسا کہ مولانا علی کا مبارک فرمان ہے کہ: **أَنَا وَاللّٰهِ وَجْهَ اللّٰهِ**۔ یعنی میں خدا کی قسم خدا کا چہرہ ہوں، نیز رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے کہ: **مَنْ رَأَىٰ نَبِيَّ فَقَدْ رَأَىٰ الْحَقَّ**، یعنی جس شخص نے مجھ کو دیکھا، اس نے خدا کو دیکھا۔

حق تعالیٰ نے نبوت و
امامت کے نور کو اپنی
روح قرار دیا ہے۔

جب اس بات میں کوئی تعجب نہیں، کہ حق تعالیٰ نے نبوت و امامت کے نور کو اپنی روح قرار دیا ہے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ خدا نے اپنی روح آدم علیہ السلام میں پھونک دی، اور حضرت مریم علیہا السلام کے قرآنی قصے میں دیکھئے کہ اللہ نے روح القدس کو اپنی روح ٹھہرا لیا ہے، تو پھر اس امر میں کیا تعجب ہے، کہ خدا تعالیٰ امام

زمان علیہ السلام کو اپنا چہرہ قرار دے، اس معنی میں کہ امام کا دیدار خدا کا دیدار ہے اور امام کی معرفت خدا کی معرفت ہے۔
مبارک ہے کہ:

امام کا دیدار خدا کا دیدار
اور امام کی معرفت خدا
کی معرفت ہے۔

أَنَا وَجْهُ اللَّهِ ، أَنَا جَنْبُ اللَّهِ ، أَنَا يَدُ اللَّهِ ،
أَنَا عَيْنُ اللَّهِ ، أَنَا الْقُرْآنُ النَّاطِقُ وَأَنَا الذُّهَابُ
الصَّادِقُ وَأَنَا اللُّوحُ الْمَحْفُوظُ وَأَنَا الْقَلَمُ الْأَعْلَى
أَنَا الْمَرْ - ذَلِكَ الْكِتَابُ - أَنَا كَهْلَيْعَصَ - أَنَا طُهُ
أَنَا حَاءُ الْحَوَامِيمِ وَأَنَا طَاءُ الطَّوَالِسِيِّنَ - أَنَا
الْمَمْدُوحُ فِي هَلْ أَتَى - وَأَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ

حضرت مولانا رضی علیہ
کا عالی شان ارشاد

میں خدا کا چہرہ ہوں، میری طرف متوجہ ہونا
خدا کی طرف رخ کرنا ہے، میں ہی جنب اللہ ہوں، مجھ
تک پہنچنا خدا کے پہلو میں بیٹھنا ہے، اور نہتہا قریب پر
پہنچنا ہے، میں ید اللہ یعنی دستِ خدا ہوں، جو کچھ وہ کرتا ہے
مجھ سے کرتا ہے، جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے، میرے ہاتھ
سے ہوتا ہے، اور میں کرتا ہوں اس کا کہلاتا ہے، میں عین
اللہ ہوں، اس کی آنکھ سے عالم کو دیکھتا ہوں اور دنیا میرے
لئے ایسی ہے جیسے کہ آنکھ میں تل، میں قرآنِ ناطق اور برہانِ
صادق ہوں، میرا وجود حق اور دلیلِ وجود حق ہے، میں
حاملِ اسماءِ الہی لوحِ محفوظ ہوں، میں ہی قلمِ اعلیٰ ہوں، جو
کچھ صفیاتِ عالم امکان پر قدرت نے رقم کیا ہے وہ مجھ

سے رقم کیا ہے، میں اتم۔ ذلک الکتاب ہوں، کتابِ نبلی اور کتابِ قولی دونوں میرا وجودِ حقیقی ہیں، میں ہی کھیعص ہوں، اور میں ہی طہ، میں ہی سب احوامیم ہوں، اور میں ہی راسِ طواسین۔ میں مسحِ ہل اتی ہوں اور میں نقطہ تحتِ باءِ ہوں، جس میں کل کتاب جمع ہے۔ (کوکبِ ڈری)

جب خدا کے لئے یہ کوئی عجیب کام نہیں کہ اُس نے آنحضرت صلعم کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دے دیا ہے حالانکہ خدا کوئی بشر تو نہیں کہ اس کا ہاتھ ہو، تو یہ امر بھی عجیب نہیں کہ امام برحق کو اپنا چہرہ قرار دے، اس معنی میں کہ امام خدا کا نور ہے۔

خدا کی پنڈلی

قرآن حکیم میں خدا کی پنڈلی کا ذکر آیا ہے (۶۸)۔ اگرچہ خدائے پاک اعضاء و جوارح سے مُبرا اور منزہ ہے، جب مثال اور تاویل کے لئے یہ بات درست ہے تو یہ بھی حق ہے کہ امام زمان خدا کا چہرہ ہیں، کیونکہ امام کے تصور میں خدا کی معرفت کے اسرارِ پنہان ہیں۔

قرآن پاک کی ۲۹ میں لفظی طور پر جنب اللہ (خدا کا پہلو) مذکور ہے، جب پروردگارِ عالم کے لئے پہلو کی نسبت منظور ہے، تو امامِ حقیق و حاضر کے وجہ اللہ اور جنب اللہ ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔

جب اس حقیقت کی وضاحت ہو چکی، کہ امام زمان وجہ اللہ ہیں، تو اب ہم بتوفیقِ الہی یہ بیان کر دیں گے

جنب اللہ (خدا کا پہلو)
بھی امامِ حقیق و حاضر ہی ہے۔

کہ ہر چیز کے فنا ہو جانے کی تاویل کیا ہے، چنانچہ متعلقہ کلمۃ مقدسہ یہ تھا کہ: وجہ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ خوب جاننا چاہئے، کہ اس فرمان الہی کی تاویل کے کم از کم چار مقام ہیں، سب سے پہلے مقام کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ایسے خاص خاص بندے بھی ہوا کرتے ہیں، کہ ان کے نورانی تصور و تخیل میں یا ان کی چشم بصیرت کے سامنے کائنات و موجودات کی ہر چیز اسرار نور الہی کی بے پناہ تجلیوں میں فنا ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ: پس تم جس طرف بھی متوجہ ہو جاؤ وہیں خدا کا نور موجود ہے ۱۱۵ یہ ہوا کسی مومن کی انفرادی دنیا میں ہر چیز کا فنا ہو جانا، خدا کے نور کا بانی رہنا خدا کی بادشاہی کا دور آنا اور خدا کی طرف اس مومن کا لوٹ کر جانا۔

دوسرے مقام کی تاویل یہ ہے، کہ دنیا ہی میں ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے، جس میں روحانیت کا دور دورہ ہوگا، ہر جسمانی چیز روحانی طاقتوں کے نیچے مغلوب ہو کر نہ ہونے کے برابر رہے گی، وہ روحانی طاقت وجہ اللہ یعنی خدا کے نور کی ہوگی، اس وقت رستے زمین پر خدا کی ایک ہی حکومت ہوگی، اور اس حال میں مومنین خدا کی طرف رجوع کئے ہوتے ہوں گے، یہ ہوا مومنین کی اجتماعی دنیا میں

خاصانِ خدا کے نورانی
تصور و تخیل میں ہر چیز
اسرار نور الہی کی تجلیوں
میں فنا ہو جاتی ہے۔

دور روحانیت میں ہر
جسمانی چیز وجہ اللہ
یعنی نور خدا کی روحانی
طاقت کے نیچے مغلوب
ہو کر نہ ہونے کے برابر
رہے گی۔

ہر چیز کا فنا ہو جانا۔

تیسرے مقام کی تاویل یہ ہے، کہ جب بندہ مؤمن اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے امام وقت کی روحانیت و نورانیت کی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے، تو اس وقت اس کے نزدیک امام کے نور کے سوا ہر چیز فنا ہو جاتی ہے، ایسے مؤمن کی اس ذاتی بہشت میں خدا ہی کی بادشاہی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس حال میں وہ مؤمن خدا کی طرف رجوع کیا ہوا ہوتا ہے، یہ ہوا مؤمن کی انفرادی قیامت میں ہر چیز کا فنا ہو جانا۔

چوتھے مقام کی تاویل یہ ہے کہ کسی زمانے میں عالم جسمانی یعنی ساری کائنات کُلّی طور پر فنا ہو جائے گی، جیسا کہ کلید-۹ میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے، اور اس حال میں بندگانِ خدا اپنے آپ کو خدا کے نور میں زندہ پائیں گے، جو عالم روحانی اور بہشت جاویدانی ہے، اُس عالم میں خدا ہی کی بادشاہی ہوگی اور مؤمنین خدا کی طرف لوٹے ہوئے ہوں گے، یہ ہوا مجموعی قیامت میں ہر چیز کا فنا ہو جانا۔

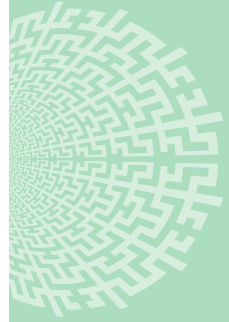
مذکورہ بالا تاویلات کی ایک واضح مثال یہ ہے، کہ ہر انسان جب خواب کے عالم میں ہوتا ہے، تو اس کے نزدیک عالم خواب کے سوا ہر چیز فنا ہو جاتی ہے، یعنی یہ ظاہری کائنات تمام موجودات اور مخلوقات کے ساتھ اس کی نظر سے غائب اور پوشیدہ ہو جاتی ہے، مگر اس کے

امام وقت کی روحانیت و نورانیت کی بہشت میں داخل ہونے پر بندہ مؤمن کے نزدیک نور امام کے سوا ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔

ساری کائنات کے کُلّی طور پر فنا ہونے پر بندگانِ خدا اپنے آپ کو نور الہی میں زندہ پائیں گے۔

خواب کی دنیا میں ہر چیز موجود ہوتی ہے، جس میں خواب کی حکمرانی ہے اور اس کا رجوع خواب کی طرف ہوتا ہے، یہی مثال انفرادی روحانیت و قیامت کے علاوہ اجتماعی روحانیت اور قیامت کی بھی ہے، لیکن بمصداق: چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کہاں خواب کی تاریک اور مردہ دنیا، اور کہاں روحانیت و قیامت کا تابان و روشن عالم، جس کی ہر چیز روحِ قدسی کی حیات و دانش سے معمور ہے۔

انفرادی و اجتماعی روحانیت
و قیامت کی ایک مثال
عالمِ خواب سے۔



کلید نمبر ۱۸

ہر چیز امامِ مبین میں

سورۃ یاسین کے رکوعِ اول کے اخیر میں پڑھو گار
عالم کا یہ ارشاد ہے کہ: وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي
إِمَامٍ مُّبِينٍ ۳۳۔ اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین
(کی نورانیت) میں گھیر لیا ہے۔

سوال: اگر ”امامِ مبین“ کا یہ اسم حاضر امام ہی کے لئے
ہے، تو ہمیں سمجھا دیجئے، کہ کائنات و موجودات کی ہر چیز
یعنی تمام اشیائے ظاہر و باطن امام کی ذات میں کس طرح
گھیری ہوئی ہیں؟

جواب: ہاں، امامِ مبین حاضر امام ہی کا اسمِ مبارک
ہے، چونکہ آپ خدائے قدوس کے پاک نور کی مرتبت
رکھتے ہیں، اور خدا کا نور وہ ہے، جس نے ارض و سما کی
وسعتوں کو اپنے اندر گھیر کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نورِ مطلق کی حیثیت سے امامِ زمان
کون و مکان کی جملہ اشیاء پر کس طرح حاوی ہے، اس
کے کئی تصورات ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ امام برحق
کے آئینہ باطن میں اشیائے دو جہان کی عقلی و روحی (یعنی نرہ

کائنات و موجودات کی
ہر چیز کس طرح امام کی
ذات میں گھیری ہوئی ہے؟

اور باشعور) قسم کی عکاسی ہوتی رہتی ہے، بالفاظ دیگر امام پاک کے ضمیر منیر کی لوح محفوظ پر ہر حسیہ کا زندہ نقش و صورت موجود ہے۔

دوسرا تصور یہ ہے کہ امام علیہ السلام اس عظیم کائنات کی روح اور عقل ہیں، وہ اس طرح کہ امام کی عقل عقلِ کل ہے اور آپ کی روح نفسِ کل ہے، پس تمام عقول امام کی عقل میں مجموع ہیں اور ساری ارواح آپ کی روح میں محدود۔

تیسرا تصور یہ ہے، کہ امام خدا کی آنکھ ہیں، اس لئے ان کی نگاہ کے سامنے موجودات کے احوال ظاہر و باطن محدود و محصور ہیں، جیسے مولانا علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

أَنَا عَيْنُ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ وَلِسَانُهُ النَّاطِقُ فِي خَلْقِهِ أَنَا نُورُ اللَّهِ الَّذِي لَا يُطْفِئُ أَنَا بَابُ اللَّهِ مِنْهُ يُوتَى وَحُجَّتُهُ عَلَى عِبَادِهِ = یعنی میں زمین میں خدا کی آنکھ ہوں، اور اس کی مخلوق میں اس کی بولتی ہوئی زبان ہوں، میں وہ نورِ خدا ہوں جو نہیں بجھایا جاسکتا، میں بابِ اللہ ہوں کہ میرے ہی ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے اور اس کے بندوں پر اس کی حجت ہوں۔

چوتھا تصور امام مبین کی ذاتِ اقدس میں ہر چیز محدود ہونے کے باوجود ہے کہ امام عالی مقام کی تقدس روح نفسِ کل، روحِ اعظم، روحِ الارواح اور عالمِ روحانی

امام زمان کے ضمیر منیر کی لوح محفوظ پر ایشیائے دو جہاں کا زندہ نقش و صورت موجود ہے۔

امام کی عقل عقلِ کل اور امام کی روح نفسِ کل ہے۔

امام اقدس ہی خدا کی آنکھ ہیں۔

امام مبین تمام مخلوقات
اور جملہ اشیاء کی رُوحوں
کا سورج ہیں۔

کی حیثیت سے ہے، اس لئے امام مبین تمام مخلوقات
اور جملہ اشیاء کی رُوحوں کا سورج ہیں، اب ان رُوحوں
کی مثال جو دنیا میں آئی ہیں، سورج کی ان کرنوں کی طرح
ہے جو سطح زمین تک پہنچی ہوئی ہیں، اور جو رُوحیں دنیا
میں آنے کے بعد اپنی اصل سے واصل ہوئی ہیں یا ابھی
تک دنیا میں نہیں آئی ہیں، ان کی مثال روشنی کے اُس
مادہ کی طرح ہے جو سورج کے سرچشمے میں موجود ہے،
پس جو رُوحیں امام مبین کے نورِ اقدس میں ہیں وہ بھی،
اور جو رُوحیں دنیا میں آئی ہیں وہ بھی امام اکرمؑ کی ذات
میں محدود ہیں، جیسے سورج کی کرنوں کا حال ہے، کہ جو
شعاعیں ابھی سورج سے نہیں نکلی ہیں وہ تو سورج کے
نور میں محدود ہیں ہی، اور ان کے علاوہ جو کرنیں ایک
بے پایاں نورانی سمت کی شکل میں کائنات و شش
جہات میں پھیلی ہوئی ہیں وہ بھی سورج سے وابستگی کی
وجہ سے سورج میں محدود ہیں۔

ان تصورات کے علاوہ اس سلسلے میں ایک اور
قرآنی دلیل یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے بارے میں ارشاد ہوا ہے، کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا
رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۱۳﴾ اور (لے رسولؐ) ہم نے تم کو
تمام عالموں (یعنی ساری کائنات) کے لئے رحمت
بنا کر بھیجا ہے۔ اس فرمانِ الہی سے ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ

جملہ ارواح کرنوں کی مانند
نور امام کے نور شیدا نور
سے وابستہ اور اسی
میں محدود ہیں۔

خدا کی ہمہ رس اور ہمہ گیر رحمتِ کُل کی حیثیت سے تمام کائنات و موجودات پر حاوی تھے، چنانچہ اگلے صفحات پر بھی اس حقیقت کا ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز یعنی کائنات کو اپنی رحمت اور علم میں سمایا ہے، اور وہ قرآنی ارشاد یہ ہے: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا ۗ۔ چونکہ امام مبینؑ خلیفہ خدا اور خلیفہ رسولؐ ہیں، اس لئے امام کی روحانیت خدا کی ہمہ رس رحمت ہے اور آپ کی نورانیت خدا کا ہمہ گیر علم ہے، پس معلوم ہوا، کہ امام مبین کی روحانیت اور نورانیت دونوں ارض و سما کی وسعتوں پر محیط ہیں۔

اب ذیل میں اس حقیقت کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، کہ امام مبین کے نور میں کون و مکان کی تمام چیزیں کس طرح گھیری ہوئی ہیں:

۱۔ سورج نے اپنی روشنی کے بے پناہ سمند میں تمام کائنات کو غرق کر لیا ہے، حالانکہ وہ خود کائنات کے درمیان ایک محض جسم ہے۔

۲۔ یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ بے اسم اللہ کے نقطے میں قرآن حکیم کا جملہ ظاہر و باطن پنہان ہے۔

۳۔ درخت کے بیج میں مغز ہوتا ہے اور مغز کے درمیان ایک چھوٹا سا نقطہ ہے اور اسی نقطے میں ایک عظیم درخت پوشیدہ ہے۔

رسول اکرمؐ خدا کی ہمہ رس اور ہمہ گیر رحمتِ کُل کی حیثیت سے تمام کائنات و موجودات پر حاوی تھے۔

امام کی روحانیت خدا کی ہمہ رس رحمت اور آپ کی نورانیت خدا کا ہمہ گیر علم ہے۔

امام مبین کے نور میں تمام چیزوں کے گہرے پونے ہونے کی کتاب دین، کتاب کائنات اور کتاب نفسی سے چند مثالیں۔

۴۔ حضرت آدمؑ کی پشت میں نفوسِ خلاق کی ایک
بھر پور دنیا چھپی ہوئی تھی۔

۵۔ انسان کے دل و دماغ میں بہت سی لطیف دنیاؤں
سماگئی ہیں، مثلاً خواب کی دنیا، خیال کی دنیا، غور و فکر
کی دنیا، عقل و دانش کی دنیا، تجربات کی دنیا، عشق و
محبت کی دنیا وغیرہ۔

۶۔ بندۂ مومن کے قلب میں حکمت کا ایک نقطہ ہے،
اور اس نقطے میں اس قدر زیادہ گنجائش ہے کہ حضرت
رحمن اور اس کی تمام صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کے لئے جگہ
ہو سکتی ہے۔

۷۔ تمام پیغمبروں کے نفوسِ قدسیہ، کتب سماویہ،
علم الہیہ اور ساری امتوں کی ایسانی روحیں آنحضرتؐ
کی ذاتِ بابرکات میں مجموعہ تھیں، ان تمام حقیقتوں
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں حکمت
کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، پس اس کا مطلب
یہ ہوا، کہ حضور اکرمؐ کا نورِ مقدس، جس میں سب کچھ تھا، امام
مبین میں موجود ہے۔

۸۔ یہ عظیم کائنات بہ امرِ خدا کاف و نون (کُن) کے
دو حرف سے وجود میں آئی ہے، اور بالآخر پھر کاف و
نون میں داخل ہونے والی ہے۔

۹۔ انسان نے اپنے دل و دماغ میں عقل اور علم کو

قلب مومن میں حکمت کا
ایک نقطہ

آنحضرتؐ کی ذاتِ
بابرکات میں تمام پیغمبروں
کے نفوسِ قدسیہ،
کتب سماویہ، علم الہیہ
اور ساری امتوں کی ایسانی
روحیں مجموعہ تھیں۔

گھیر لیا ہے اور عقل و علم نے انسان کو گھیر لیا ہے، یعنی وہ اپنی معلومات کے دائرے میں محدود ہے۔

۱۰۔ قیامت کے دن ساری زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی

اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں پلٹے ہوں گے ۲۹۔

۱۱۔ سیاہی کی ایک دوات میں امکانی طور پر دنیا بھر

کے علوم سموتے ہوئے ہیں، یعنی اس میں سے ہر قسم کی

تحریر اور ہر نوع کا علم ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

پس مذکورہ بالا دلائل اور مثالوں سے یہ حقیقت

روز روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہو گئی، کہ امام مبین کے

احاطہ نورانیت ہیں کائنات و موجودات کا ظاہر و باطن

محدود ہے، اور یہ کلمۃ الحمد لله اُس واحد خزانے کی

کلید کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں آسمانوں اور زمین کے

جملہ مخفی خزانوں کی کلیدیں محفوظ ہیں، جن کا ذکر کلید میں کیا

گیا ہے۔

کلمۃ امام مبین اُس واحد
خزانے کی کلید ہے جس
میں آسمان و زمین کے
جملہ مخفی خزانوں کی
کلیدیں محفوظ ہیں۔

کلید نمبر ۱۹

ہر چیز کا ملکوت

سورہ یاسین کی آخری آیت ہے کہ: **فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ یَبْدِئُ مَلٰکُوتَ کُلِّ شَیْءٍ وَّآلِیْہِ تُجْعَوْنَ** ۸۳۔
پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔
ملکوت کے معنی ہیں بادشاہی، سلطنت، روحانیت، عالم ارواح، عجائبات اور فرشتوں کا عالم، اور ملکوت کُلِّ شَیْءٍ کا مطلب ہے ہر چیز کی روحانیت، ہر چیز کے روحانی عجائبات اور ہر چیز کی وہ روحانی شکل و صورت جو عالم امر میں ہے، جس میں ہر چیز مادی اور جسمانی کیفیت کے بغیر مجرد روحانیت میں موجود ہے، جس کی ایک مثال عالم خواب ہے، کہ اس کی تمام چیزیں بغیر جسم اور بغیر مادہ کے روحانی کیفیت میں ہوتی ہیں۔

نیز اس کے معنی ہیں ہر چیز کی ملکوتی بادشاہی اور روحانی سلطنت، کیونکہ کائنات و موجودات کی ہر چیز خدا کے قبضہ قدرت اور اس کے اختیار میں تو ہے،

مَلٰکُوتَ کُلِّ شَیْءٍ
ہر چیز کی روحانیت، ہر
چیز کے روحانی عجائبات
اور ہر چیز کی وہ روحانی
صورت جو عالم امر میں
ہے۔

لیکن وہ جہانیت و مادیت کے عالم میں ظاہر ہے، اور لوگوں کی نگاہیں اُس تک رسا ہو سکتی ہیں، اس حال کے برعکس ہر چیز کا روحانی وجود ایسا نہیں، کہ ہر شخص اس کے عجائبات کا ادراک کر سکے، پس اسی اختصاص کے سبب سے ارشاد ہوا ہے، کہ ہر چیز کی روحانیت خدا کے ہاتھ میں ہے، اور خدا کے ہاتھ سے ولیء امر مراد ہیں یعنی امام زمان، کیونکہ خدا کی طرف سے مومنین سے بیعت لینے والا ہاتھ پیغمبر صلعم کے بعد امام برحق ہی کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا، کہ نبوت و امامت کے واحد نور کی روشنی میں تمام چیزوں کی روحانیت کا مشاہدہ ہو سکتا ہے، پھر ان اشیاء کی حقیقتوں اور معرفتوں کے نتیجے میں خدا کی طرف رجوع یعنی اس کی معرفت کا حصول ممکن ہے، آیت مذکورہ بالا میں ربط الفاظ کا مطلب یہی ہے۔

دستِ خدا سے مراد
ولیٰ امر یعنی امام زمان
ہیں۔

نبوت و امامت کے نور
واحد کی روشنی میں تمام
چیزوں کی روحانیت
کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

اس کلمۃ مبارکہ میں خدا کے ہاتھ کا ذکر ہوا ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہاں خدا کے تصورِ سبحانیت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، اس لئے اگر ہم خدا کے ہاتھ سے خدا کا اختیار مراد لیں یا قبضۂ قدرت سمجھیں، بہر حال اس کی آخری تاویل ولیء امر ہی کو پہنچنے کے بغیر چارہ نہیں، چنانچہ صاحبِ امر یعنی امام مبین علیہ السلام کے نور میں ہر چیز کا ملکوت موجود ہے، اور ان کے نور سے کوئی چیز

باہر نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی جانب سے اپنے وقت میں ولیّ عامر ہونے کے ساتھ ساتھ آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کیا تھا، چونکہ آپ اپنے زمانے کے امام تھے، اور انہوں نے اپنے نور ہی میں دیدہ باطن سے عالم ملکوت دیکھا تھا، اور آپ نے حکمت کی زبان میں فرمایا کہ جو شخص میری پیروی کرے وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق ملکوت کا مشاہدہ کر سکتا ہے، یہ مطالب سورہ انعام کے رکوع نہم اور سورہ ابراہیم کے رکوع ششم میں ہیں۔ مگر ایمان والیقان کی قوتوں کے بغیر ان حقیقتوں کے متعلق باور کرنا سخت مشکل ہے۔

قرآن حکیم کی کسی آیت کی حقیقتوں سے کوئی حقیقت اُس وقت کا حقیقہ و لٹین ہو سکتی ہے، جبکہ اس حقیقت سے متعلق قرآنی موضوع کا بغور مطالعہ کیا جائے اور جبکہ امام کی نورانی تائید حاصل ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اور مشاہدات ملکوتی کے بارے میں ایک اور ارشاد یہ ہے کہ: بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے ابراہیم کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی صلعم ہیں اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا حامی ہے یعنی سب لوگوں میں حضرت ابراہیم کے

حضرت ابراہیم نے دیدہ باطن سے ملکوت سماوات و ارض کا مشاہدہ کیا تھا۔

ساتھ زیادہ خصوصیت، زیادہ دوستی اور روحانیت اور نورانیت کا قریبی رشتہ رکھنے والے لوگ وہ تھے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی حقیقی معنوں میں پیروی کی تھی، جیسے آل ابراہیمؑ کے انبیاء و ائمہ علیہم السلام اور ان کے حقیقی مومنین، نیز نبی اکرم اور اُمتِ محمدیہ کے اہل ایمان۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کی اس تعلیم سے چند حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں، چنانچہ پہلی حکمت یہ ہے؛ جناب ابراہیم خلیل اللہؑ کی حقیقی پیروی یہ ہے، کہ آپ کے پیچھے پیچھے روحانیت و نورانیت کے اُس رستے پر چلا جائے جہیں کہ انہوں نے آسمانوں اور زمین کے ملکوتی عجائبات کا مشاہدہ کیا تھا، جس کا زندہ ثبوت آل ابراہیمؑ کے جملہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام نیز نبی محمد صلعم اور آپ کے خاندان کے تمام ائمہ باطلہ ابراہیم السلام ہیں۔

دوسری حکمت؛ حضرت ابراہیمؑ کی پیروی ہو یا کسی اور پیغمبر کی، بہر حال پیروی کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں؛ اور تیسری کوئی صورت نہیں، پہلی صورت بلا واسطہ پیروی کی ہے اور دوسری صورت بالواسطہ پیروی کی، پیغمبر کی زندگی ہی میں جو پیروی کی جاتی ہے وہ بلا واسطہ ہے اور جو پیروی پیغمبر کی وفات کے بعد اس کی کتاب اور حقیقی

حضرت ابراہیمؑ کی حقیقی پیروی (۶۸:۳) آپ کے پیچھے پیچھے روحانیت و نورانیت کے رستے پر چلنا ہے۔

پیغمبر کی پیروی کی دو صورتیں؛ بلا واسطہ پیروی اور بالواسطہ پیروی

حضرت ابراہیمؑ کی
بالواسطہ پیروی

جانشین کے ذریعے سے کی جاتی ہے وہ بالواسطہ ہے۔
تیسری حکمت: حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی پیروی
کے لئے آپ کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیلؑ سے حضرت
ابوطالب تک سلسلہ امامت جاری تھا، جس کے بغیر ابراہیمؑ
کی حقیقی پیروی ناممکن تھی اور آپ کی آسانی کتاب لوگوں
کے سامنے موجود نہیں تھی۔

چوتھی حکمت: حضور اکرم صلعم اپنی بعثت سے قبل
کے زمانے میں امام وقت کے توسط سے حضرت ابراہیم
خلیل اللہ کی پیروی کو لیا کرتے تھے۔

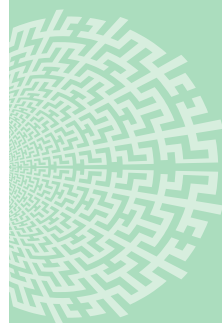
پانچویں حکمت: مذکورہ ارشادِ قرآنی میں ہے، کہ
اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے، پس ولی کے معنی یہاں کارساز،
دوست، حامی، مددگار، نجات دہ، وارث وغیرہ جیسے بھی ہوں
بہر حال اس کا مطلب یہی ہے، کہ خدا نے مومنوں کو کسی بھی
زمانے میں امام مبین کے بغیر نہیں چھوڑا ہے، کیونکہ اس نے
امام مبین کو ہر چیز پر جاوی اور محیط فرما دیا ہے، اس لئے ہر
زمانے میں امام کی موجودگی لازم آتی ہے، جبکہ ظاہریت و
جسمانیت میں ہر چیز زمان و مکان کے سوا نہیں ہو سکتی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب امام مبین اپنے
نورِ مقدس سے ہر چیز پر محیط ہے، تو یہ حقیقت ہے، کہ ہر
چیز کا ملکوت بھی آپ کے پاک نور میں ہے، جیسے حضرت
ابراہیمؑ کی مثال سے ظاہر ہے، اور کوئی شک نہیں کہ آپ

اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی
یعنی کارساز، دوست
اور مددگار کس معنی میں
ہے۔

ہر چیز کا ملکوت امام
مبین کے نورِ مقدس
میں ہے۔

اپنے وقت میں امام مبین تھے، پس یہی سبب ہے، کہ
قرآن کے جملہ موضوعات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موضوع
سے وابستہ کئے ہوئے ہیں، اور آنجناب کا موضوع امام
مبینؑ کے عنوان کے تحت ہے۔



کلید نمبر ۲

ہر چیز کیلئے گنجائش رحمت اور علم میں

سورہ مؤمن کی ساتویں آیت میں قرآن مقدس کا
کارشاد ہے کہ: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا ۚ
اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز اپنی رحمت اور علم میں
سمور رکھی ہے۔

اس آیت کریمہ کا اشارہ حکمت اس حقیقت کی طرف
ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی زندگی و رحمت نفسِ کُلّی کی روحانیت ہے
اور اس کا ذی حیات علم عقلِ کُلّی کی نورانیت، اور روحانیت
و نورانیت کے دو سمتوں میں کائنات و موجودات کی تمام
چیزیں ڈوبی ہوئی ہیں، یہ امر واقعی اس طرح سے ہے، کہ
جسمِ کُلّی، جو آسمانوں، ستاروں، سیاروں اور تمام
مادی چیزوں کا مجموعہ ہے، نفسِ کُلّی کی روحانیت میں غرق ہے
اور نفسِ کُلّی بمع ان تمام چیزوں کے (یعنی جسمِ کُلّی کے ساتھ)
عقلِ کُلّی کی نورانیت میں سُتغرق ہے، پس یہ ہوا ہر چیز کا
رحمت اور علم میں سمو جانا۔

نیز اشیائے کائنات و موجودات کے رحمت و علم میں
سمو جانے کی ایک خاص صورت بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی زندگی و رحمت
نفسِ کُلّی کی روحانیت
اور اس کا ذی حیات علم
عقلِ کُلّی کی نورانیت
ہے۔

تمام چیزیں اپنی ظاہری اور مادی ہستی کے علاوہ رحمت میں روحانی طریق پر اور علم میں عقلی طور پر زندہ اور موجود ہیں، بالفاظ دیگر ہر چیز بیک وقت تین صورتوں میں یا کہ تین مقامات پر موجود ہے، وہ جسمِ کُل میں جسمانی طور، نفسِ کُل میں روحانی حیثیت سے اور عقلِ کُل میں عقلی صورت میں موجود ہے۔

اس حقیقت کی ایک روشن دلیل (کہ جس طرح ہر چیز عالمِ جسمانی میں مادی صورت میں موجود ہے، اسی طرح وہ عالمِ ارواح میں روحانی صورت میں اور عالمِ عقول میں عقلی صورت میں موجود ہے) یہ ہے کہ ازل میں عقلِ کُل کے قلم نے باہر الہی اپنے وجود کے عالم کی جملہ اشیا کی روحانی یعنی زندہ تصویریں نفسِ کُل کی لوحِ محفوظ پر اتا دی تھیں، مگر عقلِ کُل کے عالم کی چیزیں ویسی کی ویسی اپنی اپنی جگہ پر موجود تھیں، اسی طرح نفسِ کُل یا کہ لوحِ محفوظ کے روحانی نقوش کے مطابق اس دنیا کی جسمانی چیزیں پیدا کج گئیں، بغیر اس کے کہ لوحِ محفوظ کی چیزوں میں کوئی کمی واقع ہو۔

بیان مذکورہ بالا سے نہ صرف یہ ثبوت ملا، کہ ہر چیز رحمت اور علم میں سمونی ہوئی ہے، بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ رحمتِ نفسِ کُل کی صفت ہے اور علمِ عقلِ کُل کی صفت، نیز اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا، کہ ہر چیز بیک وقت عقل، روح اور جسم میں موجود ہے، گویا عقل کا

ہر چیز بیک وقت
تین صورتوں میں موجود
ہے۔

ازل میں قلمِ الہی نے اپنے
وجود کے عالم کی جملہ اشیا
کی روحانی تصویریں نفس
کُل کی لوحِ محفوظ پر اتا
دی تھیں۔

رحمتِ نفسِ کُل کی اور علم
عقلِ کُل کی صفت ہے۔

سایہ رُوح ہے اور رُوح کا سایہ جسم،
 امام عالی مقام علیہ السلام کے مبارک فرمان میں ہے،
 کہ مومنین اپنی رُوحوں میں فرشتے ہیں اور جسموں میں انسان،
 پس یہ بات قابلِ یقین ہے کہ مومنوں کی رُوحوں کے فرشتوں
 کے بھی عقلی فرشتے ہیں، جس کا ثبوت انسان کا ظاہری وجود
 ہے، کہ اس میں تین چیزیں ہیں، یعنی جسم، رُوح اور عقل۔

جب یہ مانا گیا، کہ ہر وہ چیز جو جسمانی عالم میں ہے، وہ
 روحانی عالم میں بھی ہے اور عقلی عالم میں بھی، اور یہ بھی تسلیم
 کیا گیا، کہ روحانی عالم نفسِ کُل ہے اور عقلی عالم عقلِ کُل،
 پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمِ انسانیت کے سردار یعنی امامِ مبین
 کی رُوح وہ روحانی فرشتہ ہے، جو نفسِ کُل کے اسم سے
 موسوم ہے، اور ان کی عقل وہ عقلی فرشتہ ہے، جس کو عقلِ کُل
 کہا جاتا ہے، پس اس مضمون کا لُبِ لباب یہ ہے کہ امامِ
 مبین کی رُوح اعظم کائنات کی رحمت کا سرچشمہ ہے اور
 آپ کی عقلِ کامل سارے جہانوں کے علم کا منبع ہے۔

امام مبین کی رُوح اعظم
 کائنات کی رحمت اور
 آپ کی عقلِ کامل سارے
 جہان کے علم کا سرچشمہ
 ہے۔

کلید نمبر ۲۱

ہر چیز کا بولنا

قرآن مجید کی ۲۱ میں فرمایا گیا ہے کہ: **قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَوَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** کہ جس خدا نے سب چیزوں کو نطق بخشا اسی نے ہم کو بھی گویائی دی۔

اس کلمہ مبارکہ کی وضاحت کرنے سے قبل ہمیں نطق یعنی قوت گویائی کی حقیقت کے متعلق کچھ کہنا چاہئے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض حکما کے نزدیک قوت ناطقہ انسانی روح کا خاصہ ہے، لیکن حقیقتاً اس میں سبقت عقل ہی کو حاصل ہے، اور عقل ہی کے ذریعے سے بولنے کی طاقت روح انسانی کو حاصل ہوتی رہتی ہے۔

اس حقیقت کی پہلی دلیل، کہ انسانی روح کی یہ قوت ناطقہ عقل کے توسط سے حاصل ہوتی رہتی ہے، یہ ہے کہ عالم دین کی ترتیب میں سب سے پہلے اور سب سے اوپر کلمہ باری کا مقام ہے، جس کو کلمہ ”کُنْ“ اور امرِ کل بھی کہا جاتا ہے، یہ فی المشل عالم دین کی قوت گویائی ہے، کُنْ کے امر سے عقل کل کافر نشہ وجود میں آیا، جو عالم دین کی عقل

قوت گویائی روح انسانی کو عقل ہی کے ذریعے حاصل ہوتی رہتی ہے۔

کلمہ باری (کلمہ کُنْ = امرِ کل) عالم دین کی قوت گویائی ہے۔

کی حیثیت سے ہے، عقلِ کُل سے نفسِ کُل کا فرشتہ پیدا کیا گیا، جو عالمِ دین کی جان یعنی روح کا درجہ رکھتا ہے، اس مثال سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی کہ روحِ ناطقہ کی تعمیر عقل سے ہوتی ہے اور عقل کی تکمیل نطق سے۔

دوسری دلیل یہ ہے، کہ انسان کے جسم کا قیام روح پر ہے، روح کی محافظ عقل ہے اور عقل کا مرنی نطق۔ تیسری دلیل عقلِ نطق کے بغیر نہیں ہو سکتی، جس کا ثبوت فرشتہ ہے، مگر روحِ نطق کے بغیر ہو سکتی ہے، جس کی مثال حیوان ہے۔

چوتھی دلیل: علمِ خواہ لُدنی مرتبت کا ہو یا اکتسابی قسم کا بہر حال نطق کی صورت میں آسکتا ہے اور جو روحی اشارہ ہوتا ہے وہ بھی ایک طرح کا نطق ہے، جس کو سب سے پہلے عقل و شعور قبول کرتا ہے پھر یہ روح تک پہنچتا ہے۔

پانچویں دلیل: اگر کسی بچے کے کان شروع ہی سے سن نہیں سکتے، تو وہ بہرا کہلاتا ہے، جب وہ بہرا ہو گیا، تو اس سے گونگا بھی ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے نتیجے میں عقل کی دولت سے بے نصیب رہ جاتا ہے، اس کا سبب کیلے ہے؛ بس یہی کہ جب وہ قوتِ سامعہ سے محروم ہو گیا، تو قوتِ ناطقہ اور عقل و دانش سے بھی محروم رہتا ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ عقل کی تکمیل کا ذریعہ ناطقہ ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے اس حقیقت کا بین ثبوت ملتا

اشارہ وحی بھی ایک طرح کا نطق ہے جسے سب سے پہلے عقل و شعور قبول کرتا ہے پھر یہ روح تک پہنچتا ہے۔

عقل کی تکمیل کا ذریعہ ناطقہ ہے۔

ہے، کہ جس طرح عالم دین میں کلمہ باری یعنی ”کُن“ کے امر سے عقل کُل وجود میں آیا اور جیسے عقل کُل سے نفس کُل پیدا ہوا، اسی طرح مومن کے شخصی عالم میں امام زمان کے پُر حکمت فرمان سے، جو کلمہ باری کی مثال ہے، عقل حُبِ نزوی کو کمال حاصل ہوتا ہے، پھر ایسی عقل سے روح الایمان پیدا ہوتی ہے۔

پھر اس کے نتیجے میں مومن کے حواس باطن زندہ ہو جاتے ہیں، تب وہ حقائقِ اشیا کا مشاہدہ کر سکتا ہے، کہ تمام چیزوں کی جسمانی، روحانی اور عقلی تین تین ہستیاں ہیں ہر چیز اپنے عقلی وجود اور روحانی وجود میں بولتی رہتی ہے، اس کے علاوہ اشیا کا ظاہری وجود بھی معجزانہ لطف سے خالی نہیں۔

چنانچہ ظاہری اور جسمانی چیزیں دو طرح سے بولتی ہیں، یعنی زبانِ حال سے اور زبانِ قال سے، مگر یہاں زبانِ حال کی کیفیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، ہم صرف زبانِ قال کی بات کریں گے، کہ اس کی بھی دو صورتیں ہیں، اول یہ کہ چیزوں کی آواز اور صوت و صدا روح القدس کے تصرف سے معجزانہ گفتگو اور ذکر و تسبیح میں تبدیل ہو جاتی ہے، دوم یہ کہ جن چیزوں کی کوئی آواز نہ ہو، اُن سے ایسی معجزاتی آواز پیدا ہوتی ہے کہ اس کی کما حقہ، توجیہ نہیں ہو سکتی۔

جب آواز والی اور بے آواز والی جملہ چیزیں زبانِ نطق سے خدا کے ذکر و تسبیح کرنے لگتی ہیں، تو اس میں ہم

مومن کی عقلِ جزوی کو امام زمان کے پُر حکمت فرامین سے کمال حاصل ہوتا ہے۔

ظاہری اور جسمانی چیزیں دو طرح سے بولتی ہیں، زبانِ حال سے اور زبانِ قال سے۔

ایک اعتبار سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے ان چیزوں کو نطق دیا، دوسرے اعتبار سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مومن کی اپنی روح الیائی کا گوشہ ہے، تیسرے اعتبار سے یہ بھی مان سکتے ہیں، کہ یہ روح القدس کا معجزہ ہے اور چوتھے اعتبار سے یہ کہنا بھی حقیقت ہے، کہ یہ سب کچھ امام مبین کے نور کی روشنی میں کشفِ روحانیت کا عالم ہے، پس یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ پر سچی اور صحیح ہیں اور ان میں سے کوئی بھی غلط نہیں، کیونکہ جہاں تمام حقیقتوں کی وحدت و یکسانیت کا مقام ہے وہاں کی حالت و کیفیت کے مختلف اعتبارات ہوتے ہیں۔

کلید نمبر ۲۲

تمام چیزوں کے جوڑے

قرآن عظیم کی ۳۹^۱ میں حضرت تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۳۹^۱۔ اور ہر چیز کو ہم ہی نے جوڑا جوڑا بنایا تاکہ تم یاد رکھو۔

جیسا کہ کلید ۹ میں بطریق اختصار یہ ذکر ہوا تھا، کہ تمام چیزیں جوڑی جوڑی پیدا کی گئی ہیں، چنانچہ اسی مطلب کو یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، کہ ہر چیز کی ایک ضد یا ایک مقابل ہے، جیسے مرد و عورت، دن رات، روشنی تاریکی، خشکی تری، آسمان و زمین، روحانی و جسمانی، خوشی و غم، امیری و غریبی، دنیا و آخرت، وجود و عدم یا کہ ہستی و نیستی، خلق و امر وغیرہ۔

یہاں یہ جاننا از بس ضروری ہے کہ چیزوں کے جوڑے دو قسم کے ہوا کرتے ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے ہر جوڑے کی دونوں چیزیں ایک ساتھ رہ سکتی ہیں، جیسے مرد و عورت، دوسری قسم وہ ہے جس کے ہر جوڑے کی دونوں چیزیں یکجا نہیں ٹھہر سکتیں، جیسے دن رات۔

ہر چیز کی ایک ضد یا
ایک مقابل ہے۔

چیزوں کے جوڑے دو
قسم کے ہوا کرتے ہیں۔

کائنات کی فن و بقا
ایک لانتہا سلسلہ ہے۔

چنانچہ اگر ہم اس کائنات کی بقا کو دن اور اس کی فنا کو رات قرار دیں، تو یہ بھی مذکورہ چیزوں کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا ہوگا، لیکن لازمی ہے کہ کائنات کی ہستی اور نیستی کے یہ دن رات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری ہوں، اور یہ حقیقت ہے کیونکہ دن رات تو ایک لانتہا سلسلہ ہے۔

مذکورہ بالا کلمہ کی روشنی میں چشم بصیرت سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات و موجودات کے وجود و عدم کے سلسلے کی نہ تو کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا، بلکہ اس سے دائمیت کا ایک نہایت ہی وسیع دائرہ بنا ہوا ہے، جیسے دن رات کی مثال میں کائنات کی بقا و فنا کی لانتہا گردش کی حقیقت ثابت کی گئی، اس کے برعکس اگر ہم صرف اسی بات کو مانیں کہ پہلے خدا کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، پھر اللہ پاک کے امر سے یہ جہان پیدا ہوا، پھر ایک دن یہ جہان فنا ہو جائیگا، تو اس عقیدہ میں تین چیزیں ہو گئیں، یعنی پہلے نیستی، اس کے بعد ہستی، پھر نیستی، اور یہ بغیر جوڑے کی بات ہوئی، حالانکہ مذکورہ بالا کلمے کے مطابق ایسا ہونا چاہئے، کہ ہر نیستی کے بعد ایک ہستی ہو اور ہر ہستی کے بعد ایک نیستی، کیونکہ ذات سبحان کے سوا کوئی چھپنا بغیر جوڑے کے نہیں ہو سکتی۔

علاوہ برآن اگر ہم ہستی کو چھوڑ کر صرف نیستی کی کیفیت کے بارے میں غور و فکر کریں، تو پھر وہی حقیقت نکھر کر

ہر ہستی کے بعد ایک نیستی
اور ہر نیستی کے بعد ایک
ہستی ہے۔

سامنے آتی ہے، کہ قانونِ قدرت کے تصرف سے کوئی چیز متنا نہیں ہو سکتی، یعنی خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ کے حکم کا اطلاق ہر جوڑے کی دونوں چیزوں پر برابر برابر ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہستی خدا کی بنائی ہوئی (مخلوق) ہے اسی طرح نیستی بھی اسی کی بنائی ہوئی (مخلوق) ہے، پھر جب ہم نے بحقیقت یہ تسلیم کر لیا کہ نیستی کوئی ایسی چیز یا کوئی ایسی کیفیت ہے نہیں، جو فصلِ قدرت کے تصرف کے بغیر خود بخود پائی جائے، بلکہ وہ جس حالت و کیفیت میں بھی ہو خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے، تو اب ہمیں لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا، کہ نیستی دراصل ہستی کی بدلی ہوئی ایک صورت ہے، جس طرح رات ایک بدلی ہوئی شکل ہے دن کی، پس اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ایسی کوئی نیستی نہیں جس سے پہلے ایک ہستی نہ ہو اور نہ ایسی کوئی ہستی ہے جس سے قبل نیستی نہ ہو، چنانچہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ یہ ارشاد ہے کہ خدا کے امر سے جس طرح رات کے اندر دن پوشیدہ ہے اور دن کے باطن میں رات پنہان ہے، بالکل اسی طرح نیستی میں ہستی چھپی ہوئی ہے اور ہستی میں نیستی مخفی ہے۔ بعض لوگوں کے عقیدے کے مطابق عام اور نیستی ایک لاکشی اور بے مسمما اسم ہے؛ مگر حقیقت حال اس کے برعکس ہے، جیسے قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ: الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ

نستی میں ہستی چھپی ہوئی ہے اور ہستی میں نیستی مخفی ہے۔

نیتی اورستی دونوں
خدا کی مخلوقات میں سے
ہیں۔

اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۶۴ یعنی خدا وہ ہے جس
نے موت اور زندگی کو پیدا (یعنی مخلوق) کیا تاکہ تمہاری
آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔ اس
فرمان الہی سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے، کہ نیتی اورستی
دونوں خدا کی مخلوقات میں سے ہیں، پس معلوم ہوا کہ
نیتی ایک قسم کی مخلوق ہے جس کو خدا نے ہستی سے پیدا کیا
ہے۔

ہم نفی اور اثبات کی دونوں حقیقتوں کو تسلیم کر لیتے
ہیں، وہ یہ کہ بلاشک شبہ ہر چیز فنا تو ہو ہی جاتی ہے،
مگر فنا ہی سے پھر وہی چیز پیدا کی جاتی ہے، جیسا کہ
اللہ تعالیٰ کا پاک فرمان ہے کہ: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ
وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۶۸ کیونکہ تم خرابا
انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے تم کو زندہ کیا پھر تم کو موت
دے گا اور پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے
جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ کی حکمت میں آپ ذرا ذہنی اور فکری
صفائی کے ساتھ سوچئے، تو معلوم ہوگا، کہ انسان کی روح
قدیم ہے، اس کی روحانی اور جسمانی زندگی بے پایاں ہے،
چنانچہ مذکورہ بالا ارشاد میں اشارہ فرمایا گیا ہے، کہ انسان
بارہا بقا و فنا کے تجربات سے گذرتا رہا ہے، وہ ایک

روح انسانی قدیم ہے۔

زمانے میں خدا کے حضور میں تھا، جہاں اس کے لئے حقیقی بہشت تھی، مگر وہ وہاں سے حضرت آدمؑ کی طرح کسی بہانے سے نکل کر دنیا میں آیا، اور پھر آخر کار وہ لوٹ کر وہاں جانے والا ہے، خدا کے حضور جانا بہشت کے بغیر نہیں، اور نہ بہشت خدا کے حضور کے بغیر ہے۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام چیزوں کے جوڑے ہیں اور ہر جوڑے سے ایک دائرہ بنتا ہے، جیسے دن رات کا ایک دائرہ ہے اسی طرح کائنات کی ہستی و نیستی کا بھی ایک دائرہ ہے جو سب سے بڑا دائرہ ہے، اور موجودات و مخلوقات اسی دائرے پر بقا و فنا سے گزرتی ہوئی گردش کرتی رہتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ، کہ یہ تمام حکمت کی باتیں امام مبین کی معرفت کے نزلانے میں موجود ہیں، اور اس معرفت سے کوئی چیز باہر نہیں، پس مومن کو چاہئے کہ وہ امام شناسی میں کامل ہو جائے، اور امام شناسی کی کتابوں کو اصول کے مطابق پڑھتا رہا کرے، تاکہ اس کے دل میں اسرارِ امامت کی روشنی پیدا ہو جائے۔

والسلام

انسان کے لئے خدا کے حضور میں حقیقی بہشت ہے۔

موجودات و مخلوقات ہستی و نیستی کے دائرے پر فنا و بقا سے گزرتی ہوئی گردش کرتی رہتی ہیں۔

فہارس

آیاتِ قرآنی

| | | | |
|---------------|-------------|---------------|----------|
| ۱۵۸..... | ۱۱۲: ۶ | ۶۳..... | ۱۷: ۲ |
| ۷۳..... | ۱۲۲: ۶ | ۱۳۱..... | ۲۰: ۲ |
| ۱۶۳، ۱۶۱..... | ۱۵۲: ۶ | ۲۳۱..... | ۲۸: ۲ |
| ۱۶۴..... | ۱۵۵: ۶ | ۱۳۶..... | ۲۹: ۲ |
| ۱۶۷..... | ۴۰: ۷ | ۱۲۶-۱۲۵..... | ۳۰: ۲ |
| ۱۶۵..... | ۴۶: ۷ | ۱۴۰..... | ۳۱: ۲ |
| ۱۰۲..... | ۵۳: ۷ | ۳۳..... | ۶۰: ۲ |
| ۷۳..... | ۱۵۷: ۷ | ۲۰۶..... | ۱۱۵: ۲ |
| ۴۰..... | ۱۷۲: ۷ | ۱۱..... | ۱۲۴: ۲ |
| ۱۸۷..... | ۱۷: ۸ | ۱۴۲..... | ۱۳۸: ۲ |
| ۱۹-۱۸..... | ۱۲: ۹ | ۱۴۵-۱۴۴..... | ۱۴۸: ۲ |
| ۷۴..... | ۳۲: ۹ | ۱۷۵..... | ۱۵۶: ۲ |
| ۱۲۰، ۷۵..... | ۵: ۱۰ | ۶۴..... | ۲۵۷: ۲ |
| ۲۲..... | ۱۷: ۱۰ | ۲۱۹-۲۱۷..... | ۶۸: ۳ |
| ۱۰۲..... | ۳۹: ۱۰ | ۲۰..... | ۱۰۳: ۳ |
| ۴۷..... | ۸۸: ۱۰ | ۶۵..... | ۱۸۴: ۳ |
| ۲۲..... | ۱۷: ۱۱ | ۱۴۷..... | ۱۸۵: ۳ |
| ۳۰..... | ۵۶: ۱۱ | ۱۱۲، ۱۷۶..... | ۵۹: ۴ |
| ۱۰۲..... | ۶: ۱۲ | ۶۶..... | ۱۷۴: ۴ |
| ۱۰۲..... | ۲۱: ۱۲ | ۶۷..... | ۱۶-۱۵: ۵ |
| ۱۴۲..... | ۳۷: ۱۲ | ۶۷..... | ۴۴: ۵ |
| ۱۰۲..... | ۱۰۱-۱۰۰: ۱۲ | ۶۸..... | ۴۶: ۵ |
| ۱۶۹..... | ۸: ۱۳ | ۶۹..... | ۴۸: ۵ |
| ۷۶..... | ۱۶: ۱۳ | ۷۰..... | ۱: ۶ |
| ۷۷..... | ۱: ۱۴ | ۱۴۱..... | ۵۹: ۶ |
| ۷۸..... | ۵: ۱۴ | ۲۱۷..... | ۸۲-۷۱: ۶ |
| ۱۷۳، ۱۳۴..... | ۳۴: ۱۴ | ۱۹۲..... | ۷۵: ۶ |
| ۲۱۷..... | ۵۲-۳۵: ۱۴ | ۲۴، ۷۱..... | ۹۱: ۶ |
| ۱۷۷..... | ۲۱: ۱۵ | ۱۵۳..... | ۱۱۱: ۶ |

| | | | |
|--------------------------|-----------|-------------------------|-----------|
| 09..... | 22: 22 | 192..... | 24: 15 |
| 89-88..... | 02-01: 22 | 21, 29..... | 29: 15 |
| 90..... | 04-05: 22 | 182..... | 28: 14 |
| 188, 138..... | 04: 22 | 182-180..... | 29: 14 |
| 3..... | 54: 22 | 172..... | 89: 14 |
| 92..... | 22-19: 25 | 12..... | 120: 14 |
| 93..... | 25: 25 | 144, 22..... | 21: 12 |
| 128, 109, 51, 22, 2..... | 12: 24 | 182..... | 52: 18 |
| 209, 191, 189, 138..... | | 190..... | 85-82: 18 |
| 00..... | 01: 24 | 191..... | 82: 18 |
| 198..... | 51: 24 | 195..... | 98-91: 18 |
| 215..... | 82: 24 | 196..... | 98-92: 18 |
| 182..... | 180: 22 | 192..... | 99: 18 |
| 191..... | 10: 28 | 199..... | 50: 20 |
| 122..... | 24: 28 | 24..... | 22: 21 |
| 92..... | 22: 29 | 192, 195..... | 94-95: 21 |
| 152..... | 02: 29 | 188, 211..... | 102: 21 |
| 132..... | 52: 29 | 29..... | 9-8: 22 |
| 205..... | 54: 29 | 22..... | 24: 22 |
| 192..... | 42: 29 | 122..... | 42: 22 |
| 212..... | 42: 29 | 92, 85, 29, 20, 20..... | 25: 22 |
| 92..... | 49: 29 | 200, 185, 102..... | |
| 221, 212..... | 2: 20 | 82..... | 0: 22 |
| 222..... | 21: 21 | 142..... | 25: 25 |
| 132..... | 52: 21 | 120, 82..... | 41: 25 |
| 185, 92..... | 11: 22 | 28..... | 22: 25 |
| 99-98..... | 51: 22 | 14..... | 82: 24 |
| 112, 100, 99, 25..... | 52: 22 | 122..... | 25: 22 |
| 24..... | 18: 22 | 02..... | 5: 28 |
| 14..... | 28: 22 | 24..... | 01: 28 |
| 122..... | 12: 25 | 182..... | 52: 28 |
| 52..... | 12: 24 | 204, 202, 2..... | 88: 28 |
| 124..... | 4: 22 | 182..... | 22: 20 |
| 129..... | 22: 22 | 88..... | 20: 21 |

| | | | |
|---------|-----------|---------------|-----------|
| ۱۱۴، ۲۳ | ۱۱-۱۰: ۶۵ | ۱۸۷ | ۱۰: ۴۸ |
| ۱۱۹-۱۱۵ | ۸: ۶۶ | ۲۳۰، ۲۲۸ | ۴۹: ۵۱ |
| ۲۳۱-۲۳۰ | ۲: ۶۷ | ۱۱۴ | ۲۲: ۵۴ |
| ۲۰۵ | ۴۲: ۶۸ | ۱۰۱-۱۰۰ | ۹: ۵۷ |
| ۱۲۰ | ۱۶-۱۵: ۷۱ | ۱۰۳، ۶۰ | ۱۲: ۵۷ |
| ۱۴۰ | ۲۷-۲۶: ۷۲ | ۱۰۵-۱۰۴ | ۱۳-۱۲: ۵۷ |
| ۱۳۷ | ۲۹: ۷۸ | ۱۰۵ | ۱۹: ۵۷ |
| ۱۴۱ | ۲۴: ۸۱ | ۱۸۸، ۱۰۸، ۱۰۷ | ۲۸: ۵۷ |
| ۱۵ | ۶-۵: ۱۱۴ | ۱۰۹ | ۸: ۶۱ |
| | | ۱۱۱-۱۱۰ | ۸: ۶۴ |

احادیثِ نبوی

- ۱- اَعْرَفَكُمْ بِنَفْسِهِ اَعْرَفَكُمْ بِرَبِّهِ - ص ۷۴، ۷۵
- ۲- مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ دَهْرِهِ حَيَّامَاتٍ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَالْجَاهِلُ فِي النَّارِ - ص ۱۵
- ۳- مُؤْتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا - ص ۱۴۸
- ۴- كُنْتُ كَذَا مَخْفِيًّا، فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ اُعْرَفَ - ص ۱۷۵
- ۵- مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللهُ لَهُ - ص ۱۷۵
- ۶- يَا عَلِيُّ اِنَّ لَكَ كَذَا مِنْ الْجَنَّةِ وَاَتَكَ لِدُوقَتَيْهَا - ص ۱۹۴
- ۷- مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ - ص ۲۰۳
- ۸- اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلَى بَابِهَا - ص ۲۱۳

ارشاداتِ اُمّہ

امام علیؑ

- ۱- اَنَا وَجْهُ اللَّهِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ص ۵
- ۲- اَنَا وَاللَّهُ وَجْهٌ لِلَّهِ ص ۲۰۳
- ۳- اَنَا وَجْهُ اللَّهِ، اَنَا جَنْبُ اللَّهِ، ... وَأَنَا التَّقِطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ ص ۲۰۴
- ۴- اَنَا عَيْنُ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ ... وَحُجَّتُهُ عَلَى عِبَادِهِ ص ۲۱۰

اشعار

- ز دنیا تا بعقی نیست بسیار
ولی در ره وجودِ نَسْتِ دیوار
(حکیم پیر ناصر خسرو) ص ۱۵۱
- از دلِ حجتِ حضرتِ رَه بُود
او بت آید دَشِ اَلِه بُود
(از کتاب خیرخواہ) ص ۱۶۰

اسمائے کتب

- انجیل ۷۰، ۶۹، ۶۸ کتاب الامتہ فی الاسلام ۱۹۳
- توریت ۲۲، ۲۳، ۵۴، ۶۷، ۶۸ کتاب روشنائی نامہ ۱۵۱
- ۶۹، ۷۰، ۱۶۱، ۱۶۲ کوکبِ دُرّی ۲۰۵
- ۱۶۴، ۱۶۳ وجہِ دین (حصہ اول) ۶۵
- ۱۶۵ دعائم الاسلام (جزء اول)

اشاریہ

| | | | |
|------------------------------|--------------------|-----------------|------------------------------|
| ۱۳۶..... | احاطہ علمی | آ | |
| ۲۱۰..... | احوالِ ظاہر و باطن | آتش پرست | ۴۳..... |
| ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۴۹..... | اختیاری موت | آتش دوزخ | ۴۶..... |
| ۱۹۶، ۱۹۵..... | ارواحِ اہلِ ادیان | آٹھار دنیا | ۵۲، ۵۱..... |
| ۱۹۶، ۱۹۵..... | ارواحِ اہلِ اللہ | حضرتِ آدمؑ | ۱۲، ۳۷، ۴۰، ۱۲۵، ۱۲۶..... |
| ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵..... | ارواحِ اہلِ دنیا | | ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۶۶، ۱۶۷..... |
| ۱۹۳..... | حضرتِ ارفخشذؑ | | ۱۹۳، ۲۰۳، ۲۱۳، ۲۲۳..... |
| ۱۰۹، ۷۵، ۶۴، ۵۸، ۲۸..... | ازل | آفاق و انفس | ۱۳۲، ۶۰، ۵۸..... |
| ۲۲۲، ۱۹۹، ۱۳۸، ۱۳۴، ۱۱۱..... | | آلِ آدمؑ | ۱۲۵، ۴۰..... |
| ۱۹۷..... | حضرتِ اسرافیلؑ | آلِ ابراہیمؑ | ۱۴، ۱۶، ۸۰، ۲۱۸..... |
| ۱۹۸، ۱۱۵، ۱۱۳..... | اسمِ اعظم | آلِ علیؑ | ۹۱، ۱۱۱..... |
| ۱۶..... | اسمِ اعظمِ مجسم | آلِ محمدؐ | ۳۵، ۳۷، ۶۲، ۸۰، ۲۱۸..... |
| ۱۶۸، ۱۱۴، ۹۱..... | اسمِ بزرگ | آئینہ باطن | ۲۰۹..... |
| ۲۱۹..... | حضرتِ اسماعیلؑ | | |
| ۱۹۳..... | اصل جسمانی | ا | |
| ۱۴۹..... | اضطراری موت | ابد | ۶۴، ۷۵، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۹۹..... |
| ۱۶۵..... | اعراف | حضرتِ ابراہیمؑ | ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۸۰..... |
| ۵۲، ۵۱..... | اعمالِ آخرت | | ۱۹۲، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰..... |
| ۲۰۴..... | آئم | حضرتِ ابوطالبؑ | ۲۱۹..... |
| ۶..... | أَلُوْبِيْت | اتمامِ نور | ۷۵..... |
| ۲۸، ۲۷..... | أُمُ الْكِتَاب | اجتماعی روحانیت | ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۲۰۸..... |
| | | اجتماعی قیامت | ۹۶، ۲۰۸..... |

| | | | |
|----------|------------------|----------------------------|--------------------|
| ۱۳۸، ۱۳۴ | اہل معرفت | ۱۹۳، ۱۱۸، ۱۱۱، ۱۰۶، ۵۴، ۳۱ | امام اساس |
| ۶۴ | اہل نجات | ۲۳۲-۱ | امام زمان |
| ۱۹۲ | اہل یقین | ۳۹، ۳۸ | امام المتقین |
| ۱۲۷، ۳۶ | اولوالامر | ۲۳۲-۱ | امام مبین |
| ۶۲ | اٹمی دور | ۱۹۳ | امام مستقر |
| ۸۹ | ایمان کامل | ۱۷، ۱۲ | امام الناس |

ب

| | | | |
|---------------|---------------------|------------------------------|-------------------|
| ۷۶ | باب | ۲۱۸ | اُمت محمدیہ |
| ۲۱۰ | باب اللہ | ۱۲۷ | امر امامت |
| ۸۷ | بارہ بروج | ۱۱۲، ۵۸، ۵۰، ۴۹، ۳۶، ۲۸، ۱۹ | امر باری |
| ۲۱۲، ۲۰۴ | بائے بسم اللہ | ۲۳۰، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۲، ۲۱۳، ۱۲۷ | امر خلافت |
| ۴۰ | سبئی آدم | ۱۲۶ | امر گل |
| ۲۰۷، ۱۵۲ | بہشت جاویدانی | ۲۲۴ | امر کن |
| ۲۰۷، ۱۷۳، ۱۱۷ | بہشت روحانیت | ۲۲۴، ۲۱۳ | امری صورت |
| ۲۰۷ | بہشت نورانیت | ۲۰۰ | اناس |
| ۲۱۶، ۱۸۷ | بیعت | ۳۴، ۳۳ | انسان کامل |

پ

| | | | |
|-----------------------------|----------------|-------------------|-----------------------|
| ۱۸۰، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۶، ۱۴۴، ۶۵ | پیر | ۱۸۷، ۱۲۲، ۱۰۱، ۹۴ | انفرادی روحانیت |
| ۵۲ | پیکر نور | ۲۰۸، ۱۰۳، ۹۸، ۹۶ | انفرادی قیامت |

ت

| | | | |
|-------------|--------------------|---------------|-----------------|
| ۲۳۲-۱ | تاویل | ۲۱۸، ۱۰۵، ۱۰۳ | اہل ایمان |
| ۱۹۵، ۱۱۸ | تائید الہی | ۸۰ | اہل بیت |
| ۱۸۱، ۸۰، ۱۳ | تائید روحانی | ۱۴۴ | اہل حقیقت |
| ۲۱۷، ۸۰، ۱۳ | تائید نورانی | ۱۴۴ | اہل شریعت |
| ۱۷ | تائیدی ہدایت | ۱۴۴ | اہل طریقت |

ح

| | |
|-------------------------|---------------|
| ۲۰۹، ۶۲ | حاضر امام |
| ۲۰ | جل اللہ |
| ۸۷، ۷۶ | حجتِ اعظم |
| ۱۴ | حجتِ روز |
| ۱۴ | حجتِ شب |
| ۷۹، ۸۸، ۱۵۹، ۱۶۰ | حجت |
| ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰ | |
| ۸۷، ۲۳، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴ | حجت ان جزائر |
| ۸۷ | حجت ان لیلی |
| ۸۷ | حجت ان مقرب |
| ۸۷ | حجت ان نہاری |
| ۱۸۶، ۸۱، ۸۰، ۵۲، ۳۱، ۱۲ | حدود جسمانی |
| ۹۵، ۹۴، ۸۸، ۴۹ | حدود دین |
| ۱۸۶، ۸۱، ۸۰، ۵۲، ۳۱، ۱۲ | حدود روحانی |
| ۱۸۳ | حدود علوی |
| ۱۳۴ | حسی معجزات |
| ۸۸، ۷۹، ۵۰، ۶ | حق الیقین |
| ۱۸۶، ۱۸۴، ۱۱ | حقیقت الحقائق |
| ۱۱ | حقیقت عالیہ |
| ۱۸۴ | حقیقت واحدہ |
| ۱۴۴، ۵ | حقیقت |
| ۱۰۶، ۹۴ | حکمت بالغہ |
| ۲۲۶ | حواس باطن |

| | |
|-------------------------|---------------|
| ۱۴۹ | تجرباتی موت |
| ۱۳۶، ۲۸ | تحریر روحانی |
| ۱۳۶، ۲۸ | تحریر نورانی |
| ۴۵، ۴۴ | تحلیل نفس |
| ۱۵۷ | مدرستی معجزات |
| ۱۵۱، ۱۱۶، ۸۹، ۴۵ | تزکیہ نفس |
| ۸۱، ۶۲ | تسخیر کائنات |
| ۱۱۶ | تصفیہ قلب |
| ۱۰۲، ۹۶، ۷۴، ۷۲، ۶۷ | تنزیل |
| ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۶۴، ۱۶۳ | |
| ۷۵ | توہید ارواح |
| ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵ | توبہ نصوص |
| ۱۸۲، ۱۴۵، ۱۳۶، ۱۲۰ | توحید |

ج

| | |
|----------|--------------|
| ۱۴۱، ۹۹ | حضرت جبرائیل |
| ۱۳ | جہ |
| ۱۵۰ | جزوی موت |
| ۲۲۲، ۲۲۱ | جسم کل |
| ۱۵۹ | جسم لطیف |
| ۲۰۵، ۲۰۴ | جنب اللہ |
| ۱۰۶، ۲۰ | جہاد |
| ۲۰ | جہد علمی |

چ

| | |
|----|------------|
| ۳۰ | چراغ ہدایت |
| ۹۲ | چراغ ہستی |

| | | | |
|-------------------------------|-----------------|------------------------------|--------------|
| ۱۱۳ | ذکرِ دائم | ۲۰۵، ۲۰۳ | حوامیم |
| ۸۹ | ذکرِ قلبی | ۱۰۸، ۱۰۷ | حوضِ کوثر |
| ۸۹ | ذکرِ لسانی | | |
| ۱۱۵ | ذکرِ مجسم | ۸۰ | حنا و حکمت |
| ۱۱۳ | ذکرِ مسلسل | ۱۲۷، ۱۲۵ | خلافتِ البیہ |
| ۱۹۶-۱۹۰ | حضرت ذوالقرنین | ۲۱۲، ۱۹۶، ۱۳۸، ۱۲۷، ۱۲۶ | خلیفہ خدا |
| | ر | ۲۱۲ | خلیفہ رسول |
| ۹۹ | رحمانی صورت | ۲۱۹، ۲۱۸ | خلیل اللہ |
| ۲۱۱، ۱۸۸، ۱۱۵ | رحمت عالمین | ۶۵ | خود گو کتاب |
| ۲۱۲ | رحمت کل | ۱۳ | خیال |
| ۲۲۳، ۲۱۰ | روحِ اعظم | | |
| ۲۱۰، ۵۸ | روحُ الارواح | ۲۱۳ | دار الحکمت |
| ۷۲ | روحُ الایمن | ۱۸۰، ۸۸، ۷۹، ۲۳، ۱۶، ۱۴ | داعی |
| ۲۲۷، ۲۲۶ | روحُ الایمان | ۳۱ | دايرة ہستی |
| ۱۵۵، ۱۱۲، ۷۲، ۵۳، ۲۳، ۸، ۷، ۶ | روحِ قدسی | ۸۹ | دائم الذکر |
| ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۰۸، ۲۰۳، ۱۵۷، ۱۵۶ | | ۱۲۸، ۱۲۷ | حضرت داؤد |
| ۲۳۱، ۲۲۳، ۲۰۱، ۷، ۶ | روح انسانی | ۱۲۵، ۸۸، ۸۷، ۷۶، ۷۴، ۳۷ | دورِ امامت |
| ۲۰۱ | روحِ حسّی | ۱۱۶، ۱۰۵، ۹۶، ۴۸، ۱۵ | دورِ روحانیت |
| ۲۰۱، ۴۰، ۷، ۶ | روح حیوانی | ۲۰۶، ۱۹۷، ۱۳۳، ۱۱۹، ۱۱۸ | |
| ۵۱ | روحِ علم و حکمت | ۱۹۷، ۱۰۵، ۱۰۳، ۳۷ | دورِ قیامت |
| ۱۱۴، ۶۵، ۲۷، ۲۶ | روحِ قرآن | ۱۲۵، ۱۱۶، ۹۱، ۸۸، ۸۷، ۷۴، ۳۷ | دورِ نبوت |
| ۲۲۵، ۲۰۱، ۸۵ | روحِ ناطقہ | ۲۱۷، ۷۸، ۷۶، ۵۸، ۶ | دیدہ باطن |
| ۲۰۱ | روحِ نامیہ | ۱۵۱ | دیوارِ ہستی |
| ۷، ۶ | روحِ نباتی | | |
| ۱۵۴، ۱۴۸، ۱۳۷، ۱۰۰ | روحانی تجربات | ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸ | ذریعت |

| | | |
|----------------------|------------|--------------------|
| ۴۲ | شجرِ امامت | ۲۱۵، ۱۹۲ |
| ۱۸۳ | شجرهٔ طیبه | ۴۴، ۴۱ |
| ۱۱۷ | شخصی قیامت | ۱۵۴، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۰۰ |
| ۹۵، ۹۴ | شرح صدر | ۱۹۶، ۱۹۳ |
| ۱۸۸، ۱۴۴، ۱۰۷، ۲۹، ۵ | شریعت | ۱۹۶، ۱۹۳ |
| ۳۰، ۲۹ | حضرت شعیبؑ | ۱۹۷ |

| | | |
|---------------|-------------|---|
| ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵ | شهداء | ز |
| ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵ | شیاطین انسی | زبان حال ۲۲۶، ۱۷۳، ۱۱۹، ۱۰۵، ۹۰، ۸۹، ۸ |
| ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵ | شیاطین جنی | زبان حکمت ۲۱۷، ۱۹۹، ۱۰۴، ۹۸ |

ص

| | | |
|------------------------|-------------|-------------------------------------|
| ۲۱۶، ۱۶۶، ۱۱۲ | صاحب امر | زبان قال ۲۲۶، ۱۷۳، ۱۱۹، ۸۹، ۸ |
| ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵ | صدیقین | زمانهٔ تاویل ۷۴ |
| ۱۷۶، ۶۴، ۴۷، ۳۰، ۲۹، ۵ | صراط مستقیم | زمانهٔ تنزیل ۷۴ |

س

| | | |
|----------|---------------|-----------------------------|
| ۲۱۳ | صفات جلالیه | ساق ۲۰۵ |
| ۲۱۳ | صفات جمالیه | سالکانِ راهِ حقیقت ۵۷ |
| ۱۲۱ | صفات غیر مرئی | حضرت سامؑ ۱۹۳ |
| ۹۵ | صوتی هدایت | سایهٔ روح ۲۲۳ |
| ۱۹۸، ۱۹۷ | صور اسرافیل | سایهٔ عقل ۲۲۳، ۲۲۲ |

ض

| | | |
|-----|------------|-----------------------------------|
| ۲۱۰ | ضمیمهٔ نیر | سبیل خدا ۲۹ |
| | | سراج نیر ۱۸۸، ۱۳۸، ۹۱، ۹۰ |
| | | سلسلهٔ امامت ۹۷، ۹۱، ۶۶، ۶۲ |

ط

| | | |
|------------|--------|-----------------------------|
| ۱۸۹ | طاق دل | ۲۱۹، ۱۶۶، ۱۰۷ |
| ۲۰۴ | طه | ۴۳ |
| ۱۴۴، ۲۹، ۵ | طریقت | حضرت سلمان فارسیؓ ۱۹۳ |
| ۲۰۵، ۲۰۴ | طواسین | حضرت شایخؒ |

ش

ع

| | | | |
|----------------------|--|-----------------------|---|
| عالم نورانی..... | ۱۱۲ | حضرت عابراً..... | ۱۹۳ |
| عالم ہست و بود..... | ۳۱ | عالم ارواح..... | ۲۲۲، ۲۱۵ |
| عالم غیر روح..... | ۱۷۳ | عالم آخرت..... | ۱۵۳ |
| عرش..... | ۵۸، ۳۱ | عالم امر..... | ۲۱۵، ۱۹۹، ۱۵۳، ۹۹ |
| عرضہ وجود..... | ۳۱ | عالم انسانیت..... | ۲۲۳، ۹۷، ۶۱ |
| عرفانی ہدایت..... | ۲۰۲ | عالم باطن..... | ۱۰۹ |
| عقل جزوی..... | ۲۲۶، ۸۳ | عالم بشریت..... | ۶۱ |
| عقل کامل..... | ۲۲۳، ۱۱۲، ۵۸ | عالم جسمانی..... | ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۱۶، ۲۰۷ |
| عقل کل..... | ۱۳، ۲۸، ۳۱، ۵۲، ۸۰، ۸۵، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۳۶، ۱۹۳، ۲۱۰ | عالم خلق..... | ۲۰۱، ۲۰۰ |
| | ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱ | عالم خواب..... | ۲۱۵، ۲۱۳، ۲۰۸، ۲۰۷ |
| علم الاسماء..... | ۱۳۰ | عالم خیال..... | ۲۱۳ |
| علم الکتابی..... | ۲۲۵ | عالم دین..... | ۸۷، ۸۳، ۷۶، ۷۵، ۷۱، ۶۱، ۶۰، ۵۸، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۱۳۸، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۲ |
| علم الہی..... | ۱۳۰، ۱۳۶ | عالم روحانیت..... | ۱۹۵، ۱۷۷، ۱۵۲، ۵۸ |
| علم البتین..... | ۶، ۵۰، ۷۹، ۸۸، ۱۳۳، ۱۵۴، ۱۵۷ | | ۲۲۳، ۲۱۰، ۲۰۸، ۲۰۷، ۱۹۹ |
| علم تاویل..... | ۵۳، ۱۳۳، ۱۸۰ | عالم شخصی..... | ۲۲۶ |
| علم توحید..... | ۱۱۷ | عالم ظاہر..... | ۱۰۹ |
| علم حقائق اشیاء..... | ۱۲۶ | عالم عقل..... | ۲۲۳، ۲۲۲ |
| علم حقیقت..... | ۷۳ | عالم علم الہی..... | ۳۱ |
| علم روحانی..... | ۱۳۳، ۱۹۶ | عالم علوی..... | ۵۸ |
| علم غیب..... | ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳ | عالم کشف روحانیت..... | ۲۲۷ |
| علم قیامت..... | ۱۵۱ | عالم معرفت..... | ۱۶۸ |
| علم لدنی..... | ۱۳۳، ۲۲۵ | عالم ملکوت..... | ۲۷، ۱۵۰، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۸ |
| حضرت علیؑ..... | ۵، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۱ | عالم ناموس..... | ۱۵۰ |
| | ۳۸، ۸۹، ۹۱، ۱۰۶، ۱۱۱ | | |

| | |
|------------------------|---------------------------|
| ۲۰۴ | قلمِ اعلیٰ |
| ۲۸ | قلمِ الہی |
| ۱۳۸، ۱۳۶ | قلمِ قدرت |
| ۲۲۲، ۳۱، ۲۸ | قلم |
| ۱۱۳ | قوتِ ذاکرہ |
| ۲۲۵ | قوتِ سامعہ |
| ۲۲۵، ۲۲۲ | قوتِ ناطقہ |
| ۹۸ | قیامتِ جزوی |
| ۹۸ | قیامتِ کلی |
| ۱۹۳ | حضرتِ قیسان |
| ۳۷ | کارِ امامت |
| ۱۲۷، ۳۷ | کارِ نبوت |
| ۳۵ | کارِ ہدایت |
| ۸۱ | کائناتی نور |
| ۶۵ | کتابِ روحانی |
| ۲۰۵ | کتابِ فعلی |
| ۲۰۵ | کتابِ قولی |
| ۱۴۲، ۱۴۱، ۶۷، ۴۷ | کتابِ مبین |
| ۹۴، ۹۳، ۸۸، ۷۹، ۶۵، ۵۸ | کتابِ نفیر |
| ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۳۸، ۱۳۷، ۶۵ | کتابِ ناطق |
| ۱۳۷، ۵۴، ۲۵، ۲۳ | کتابِ نورانی |
| ۵۸، ۳۱ | کرسی |
| ۶۳، ۳۸ | مولانا شاہِ کریمِ الحسینی |
| ۴۰ | کشتیِ نوح |

۲۰۳، ۱۹۴، ۱۶۵

| | |
|--------------------|--------------|
| ۶۵ | عملی تاویل |
| ۲۰۱، ۸۱ | عناصرِ اربعہ |
| ۷۴، ۶۸، ۱۳ | حضرتِ عیسیٰ |
| ۲۱۰، ۲۰۴ | عینِ اللہ |
| ۱۵۴، ۸۸، ۷۹، ۵۰، ۶ | عینِ الیقین |

ف

| | |
|------------|---------------|
| ۱۳ | فتح |
| ۴۳، ۴۲، ۴۱ | فرزندِ روحانی |
| ۲۲۳ | فرشتہِ روحانی |
| ۲۲۳ | فرشتہِ عقلی |
| ۴۷، ۴۶ | فرعون |

ق

| | |
|---------------------------|---------------------|
| ۳۷ | قانونِ رحمت |
| ۴۱ | قانونِ فطرت |
| ۲۳۰، ۱۷۱، ۱۶۹، ۶۴، ۴۶، ۱۵ | قانونِ قدرت |
| ۱۵۲ | قانونِ موت |
| ۱۰۴ | قانونِ وحدانیت |
| ۱۳ | حضرتِ قائمِ القیامت |
| ۱۴۵، ۱۴۴ | قبلہ |
| ۲۰۴، ۱۴۲، ۹۹ | قرآنِ ناطق |
| ۱۰۰ | قرآنِ صامت |
| ۴۱، ۳۸ | قرۃ العین |
| ۱۳۵، ۹۶ | قساوتِ قلبی |
| ۹۲ | قلبی بصیرت |

| | |
|-----------------------------|-------------------------|
| نورانی دیدار..... | ۸۵، ۸۰، ۵۲، ۳۱، ۲۸، ۱۳ |
| نورانی ہدایت..... | ۲۲۱، ۲۱۰، ۱۹۳، ۱۳۶، ۱۱۸ |
| نہایتخانہ اسرارِ توحید..... | ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۳، ۲۲۲ |

و

| | |
|-----------------|------------------------------|
| نفسانی موت..... | ۱۳۹ |
| حضرت نوح..... | ۱۹۳، ۱۲ |
| نور امامت..... | ۷۱، ۶۹، ۶۸، ۶۳، ۶۲، ۳۹، ۱۷ |
| وجود عقلی..... | ۱۰۳، ۱۰۰، ۹۹، ۹۷، ۹۶، ۹۴، ۷۲ |
| وجہ اللہ..... | ۱۱۸، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۵، ۱۰۴ |
| وعدۃ قیامت..... | ۲۱۶، ۲۰۳، ۱۵۵، ۱۳۲، ۱۳۱ |
| ولی امر..... | ۱۱۸، ۷۸، ۷۷ |

ہ

| | |
|----------------|---------------------------|
| نور توحید..... | ۱۹۳ |
| نور عرفان..... | ۱۱۸، ۷۸، ۷۷ |
| نور علی..... | ۲۸، ۲۷، ۲۶ |
| نور قرآن..... | ۱۱۳، ۶۵، ۲۷، ۲۶ |
| نور مبین..... | ۶۶ |
| نور مجسم..... | ۱۰۷ |
| نور محمد..... | ۲۸، ۲۶ |
| نور مطلق..... | ۷۵، ۶۰، ۶۱، ۱۰۴، ۱۳۷، ۱۷۸ |

۱۸۷، ۱۸۷، ۲۰۰، ۲۰۹

ی

| | |
|--------------------------|-----------------------------|
| یا جوج و ما جوج..... | ۱۵۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷ |
| یٰ اللہ..... | ۱۸۷، ۲۰۴، ۲۱۶ |
| یک الہیت..... | ۱۳۱ |
| یک حقیقت..... | ۱۳۱ |
| حضرت یوسف..... | ۲۰۶ |
| نور معرفت..... | ۵، ۳۰، ۶۸، ۹۲، ۹۳، ۱۰۳، ۲۹۱ |
| نور مومنین و مومنات..... | ۶۰، ۱۰۳، ۱۰۴ |
| نور ہدایت..... | ۲۵، ۸۱، ۱۳۰، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۲ |
| نورانی تاویل..... | ۵۸، ۱۳۲ |
| نورانی تصور و تخیل..... | ۲۰۶ |
| نورانی تصویریں..... | ۱۳۲ |



آپ اپنے زمانے کے عجوبہ روزگار مستی تھے، آپ نے کسی تعلیمی ادارے سے حصول تعلیم کے بغیر روحانی ریاضت کی برکت سے قرآنی تاویل اور حکمت پر نظم و نثر میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تحریر کیں، آپ چار زبانوں برہسکی، اردو، فارسی اور ترکی کے قادر الکلام شاعر ہیں، آپ اپنی مادری زبان برہسکی کے اولین شاعر اور صاحب دیوان ہیں، آپ نے قرآنی حکمت کی روشنی میں ”روحانی سائنس“ کا انکشاف کیا ہے، جس کی بڑے پیمانے پر پذیرائی ہو رہی ہے، اس منفرد تحقیقی خدمت کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز کے اعزاز سے نوازا ہے، برہسکی زبان کی ترقی اور قوم کی سماجی زندگی میں اصلاح کیلئے آپ کی کوششیں منفرد ہونے کے باعث آپ بابائے برہسکی حکیم القلم اور لسان القوم کے القاب سے مشہور ہیں۔ آپ کی گرانمایہ تخلیقات کے چند نمونے یہ ہیں، میزان الحقائق، عملی تصوف اور روحانی سائنس، روح کیا ہے؟، کتاب العلاج، قرآن حکیم اور عالم انسانیت، اور آپ کے جمع کردہ مواد پر مشتمل اولین برہسکی۔ اردو لغت جو آپ کی رہنمائی میں مرتب ہو کر کراچی یونیورسٹی سے شائع ہو گئی ہے، اسکے علاوہ آپ برہسکی۔ جرمن ڈکشنری اور ہونزہ پروفوربز (HUNZA PROVERBS) کی ترمیم میں بالترتیب ہائیدل برگ یونیورسٹی کے پروفیسر برگ اور یونیورسٹی آف مائٹریال کے پروفیسر ٹیفو کے بھی ہمکار مصنف (CO-AUTHOR) رہے ہیں۔

